محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

دو باتیں

السلام علیکم!

اس ناول کے آخر میں اگر آپ یہ محسوس کریں کہ ایک ٹکٹ میں دو مزے آ گئے تو بغلیں بجانا شروع کر دیجیے گا کہ آج کل بغلیں بجانے کا رواج نہیں رہا۔ یہاں تک کہ محاورۃً بھی بغلیں نہیں بجائی جاتیں۔ ایک زمانہ تھا، خوب زور شور سے بغلیں بجائی جاتی تھیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی،، ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ آپ نے اکثر اشتہارات میں پڑھا ہوگا، ایک ٹکٹ میں دو مزے، تو اس مرتبہ اس ناول کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے اور دو کی بجائے آپ ایک مزا بھی محسوس نہ کریں تو یہ میری بدقسمتی ہوگی۔

اب آیئے خاص نمبر کی وجہ، جسے آپ پڑھ کر فارغ ہی ہوئے ہیں، خاص نمبر کی ڈاک کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ طوفان میل کی طرح جاری و ساری ہے۔ آپ کے خطوط سنبھالنا دشوار ہو رہا ہے، پھر بھی کسی نہ کسی طرح ان سب کو جمع کر رہے ہیں، میرے نائب بھی بری طرح چکرائے ہوئے ہیں اور بوکھلائے ہوئے بھی کیونکہ انہیں اس ساری ڈاک کے جواب لکھنے ہیں اور مجھے لکھوانے ہیں، لہٰذا حال تو میرا بھی کچھ بہتر نہیں۔ خدا سے دعا کیجیے۔ وہی مدد کرنے والا ہے۔ انعام کا اعلان اگلے ماہ کے ناولوں میں ہی کیا جا سکے گا۔

اشتیاق احمد

جوابی شہزادے

اخبار میں دیے گئے ایک اشتہار پر ان کی نظریں چپک سی گئیں۔ سب سے پہلے اسے فرزانہ نے دیکھا۔ اس نے پڑھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور پھر محمود کے سامنے کر دیا۔ اس نے بھی اشتہار پڑھا اور حیرت بھرے انداز میں فاروق کی طرف سرکا دیا۔ فاروق نے پڑھنے کے بعد ان کی طرف دیکھا اور پھر تینوں ایک ساتھ نئے سرے سے اشتہار کو پڑھنے لگے، لکھا تھا:

"ریاست سیستان کے شہزادے علی باقر کی شہر میں آمد"

اس سال بھی ریاست کے شہزادے علی باقر اپنے پروگرام کے مطابق ہمارے شہر میں تشریف لا چکے ہیں اور انہوں نے حسب معمول شہر کے بہترین ہوٹل، ہوٹل البان میں قیام فرمایا ہے۔ اس سال بھی وہ اپنے تمام دوستوں کو ہوٹل البان میں دعوت دے رہے ہیں۔ دعوت کے دوران وہ اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کریں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے وہ کبھی اپنے دوستوں کے لیے اتنے قیمتی ہیرے لے کر نہیں آئے۔ اس بار ان کے دوست حیران رہ جائیں گے۔

واضح رہے کہ شہزادہ علی باقر ہر سال ان دنوں ہمارے شہر میں آتے ہیں۔ ہوٹل البان میں قیام فرماتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے ملاقاتیں

کرتے ہیں اور پھر ایک خاص تقریب میں اپنے دوستوں میں قیمتی تحائف تقسیم کرتے ہیں۔ اس تقریب کو دوسرے شہری بھی ذوق اور شوق سے دیکھتے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہوٹل کی انتظامیہ نے بڑے ہال میں تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ آپ نے اتنی انوکھی تقریب کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔''

اشتہار ہوٹل البان کی طرف سے تھا۔ انہوں نے اشتہار دوبارہ پڑھنے کے بعد ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور محمود بولا:

''ہیرے تقسیم کرنے والی بات پلے نہیں پڑی۔ شہزادہ صاحب ہر سال اتنے ہیرے کہاں سے لے آتے ہیں؟''

''اپنی ریاست سے۔ وہاں ہیروں کی کانیں ہوں گی، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''اور کیا پوچھنے کی بات تو صرف فرزانہ پوچھنا جانتی ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''اس تقریب کو دیکھنے کے لیے بے شمار شہری ہوٹل میں داخل ہو جاتے ہوں گے۔ شہزادے کے دوستوں کی تعداد اور ہی الگ۔ ان سب لوگوں کو ہوٹل والے مفت تو نہیں کھلاتے ہوں گے۔ شاید داخلے کی بھی فیس ہوگی۔'' فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''ہاں، گویا شہزادے کی آمد ہوٹل والوں کی آمدنی میں اضافہ کرتی ہے اور یہ اشتہار اسی لیے دیا گیا ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔ سنو محمود، میں بھی اس تقریب میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ کیا خیال ہے، چلو گے میرے ساتھ؟'' اس نے ایسے انداز میں کہا، جیسے فاروق وہاں موجود ہی نہ ہو۔

''بھلا ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟'' محمود بولا۔

''شاید فرزانہ کو بھی ایک آدھ ہیرا مل جائے۔ یہی سوچ کر جانا چاہتی ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''میں تمہاری طرح لالچی نہیں۔'' فرزانہ بولی۔

''یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ میں لالچی ہوں۔ حیرت ہے، تمہیں یہ بات کس نے بتائی۔'' فاروق کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''تمہارے فرشتوں نے۔'' فرزانہ نے دانت پیسے۔

''ارے، میرے فرشتے تم سے ساز باز کر بیٹھے ہیں۔ لو بھئی محمود، اب فرشتے بھی انسانوں جیسے کام کرنے لگے۔'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

''یہ فرشتوں پر سراسر الزام ہے۔'' محمود نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

''تم جاؤ یا نہ جاؤ۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔''

''اگر جانا ہی ہے تو کیوں نہ وہاں جوابی شہزادوں کے روپ میں جائیں۔'' فاروق نے عجیب بات کہی۔

''جوابی شہزادے، کیا مطلب؟''

''فاروق، فاروق کیا تمہیں شہزادوں کی بھی قسمیں معلوم ہیں؟'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یہ تم نے دو بار فاروق فاروق کیوں کہا؟'' فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس لیے کہ تم اکیلے ہی دو کے برابر ہو۔'' فرزانہ بول پڑی۔

"تو یوں کہو نا، میں گیارہ کے برابر ہوں، کیوں کہ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔"

"دھت تیرے کی۔ باتوں میں بھلا کوئی تم سے بازی لے جاسکتا ہے۔"

"کیوں نہیں، پچھلے دنوں تو آفتاب نے اس کا خوب مقابلہ کیا تھا۔"

"بے چارے۔" فاروق کے منہ سے افسوس زدہ لہجے میں نکلا۔

"کون بے چارے؟ شہزادہ علی باقر اور اس کے دوست یا ہم خود۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہ ہم، نہ شہزادہ علی باقر اور اس کے دوست۔ میرا اشارہ آفتاب، آصف اور فرحت کی طرف ہے۔ بے چاروں کو پروفیسر انکل کے کھلونے مل ہی نہیں سکے۔"

"بھئی وہ انوار شام کی کوٹھی میں جا کر تلاش کر لیں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تو اس میں لال پیلا ہونے کی کیا بات ہے۔" فاروق بولا۔

"بات کیا ہو رہی تھی اور یہ حضرت کیا لے بیٹھے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"بھئی تم چلی جاؤ ہوٹل البان تمہیں کون روک رہا ہے۔" فاروق نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ کیوں نہ ہم وہاں جوابی شہزادوں کے روپ میں جائیں۔"

"اوہ، ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا۔ واقعی ترکیب شاندار ہے۔ میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ ہم بھی شہزادوں کے روپ میں چلتے ہیں، کسی دور دراز ریاست کا پتا بتادیں گے۔ ابا جان اور امی جان تو آج خالو ایاز کی عیادت کے لئے گئے ہوئے

ہیں۔ دو گھنٹے سے پہلے تو واپس لوٹیں گے نہیں۔ کیوں نہ ہم بھی ذرا شہزادگی کا لطف اٹھائیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"آخر شہزادوں کے روپ میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم یوں بھی جا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"بھئی ذرا لطف رہے گا۔" فاروق بولا۔

"میرا خیال ہے، فاروق کی تجویز مناسب رہے گی۔ اس میں حرج بھی کیا ہے۔"

"چلو خیر یونہی سہی، لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو میں ابا جان کو فوراً بتادوں گی کہ یہ تجویز تم دونوں کی تھی۔" فرزانہ نے گویا اپنا پہلو بچایا۔

"ضرور بتا دینا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور میک اپ روم میں پہنچ گئے، یہاں شہزادوں اور شہزادیوں کے لیے لباس پہلے ہی موجود تھے۔ حلیوں کی تبدیلی کے لیے بھی انہیں کئی چیزیں مل گئیں۔ اپنا میک اپ خود کرنے کا موقع انہیں بہت کم ملتا تھا۔ یہ کام عام طور پر انسپکٹر جمشید ہی کیا کرتے تھے؛ تاہم انہوں نے بھی گزارے قابل میک اپ کر ہی لیا۔ لباس پہننے کے بعد جو انہوں نے خود کو آئینے میں دیکھا تو ایک بار تو انہیں ہنسی ہی آگئی۔ وہ سچ مچ کے شہزادے لگ رہے تھے۔

"بھئی شہزادے ہوٹل تک جائیں گے کیسے، ٹیکسی میں جاتے تو اچھے نہیں لگتے۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"اور کار چلانے کی اجازت ابا جان نے دے نہیں رکھی۔" محمود نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"میری طرف تو تم اس طرح دیکھ رہے ہو، جیسے اس سے پہلے ترکیبیں

میں ہی تو بتا تا رہا ہوں۔"

"لیکن یہ شہزادوں والی ترکیب تو تمہاری ہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے، ہوٹل تک جانے کا مسئلہ بھی میں ہی حل کروں گا، تم فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ فون کے نزدیک پہنچا، ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"آخر تم کسے فون کر رہے ہو؟"

"انکل خان رحمان کو۔ ان کی لمبی کار میں ہم واقعی شہزادے نظر آئیں گے۔"

"لیکن کار چلائے گا کون، کیا انکل ہمیں ڈرائیور کی وردی میں ہوٹل تک لے کر جائیں گے۔"

"شاید تمہیں یہ بات یاد نہیں کہ ظہور کو انکل نے ڈرائیونگ سکھا دی ہے اور ڈرائیونگ لائسنس بھی دلا دیا ہے۔"

"اوہ ہاں، یہ بات تو ہمیں معلوم ہے۔" فرزانہ چہک کر بولی۔

"بس تو پھر انکل اسے کار دے کر بھیج دیں گے۔ ہم یہاں اس کا بھی میک اپ کر دیں گے، تا کہ وہ واقعی شہزادوں کا ڈرائیور نظر آئے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ترکیب تو زوردار ہے، حیرت ہے، میری بجائے ترکیبیں تمہیں کیوں سوجھ رہی ہیں۔"

"ارے باپ رے، کہیں تمہاری عقل میرے سر میں نہیں سما گئی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اور تو چاہے کچھ ہو جائے، بس تمہاری زبان سے میری زبان نہ بدلے۔" فرزانہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور محمود بے ساختہ ہنس پڑا۔ اسی

وقت سلسلہ مل گیا۔ انہوں نے سنا فاروق کہہ رہا تھا:

"انکل، بات دراصل یہ ہے کہ ظہور کو اپنی کار سمیت یہاں بھیج دیں، ہم ذرا ہوٹل البان جا رہے ہیں۔"

محمود اور فرزانہ بھی اپنے کان ریسیور کے قریب لے آئے۔

"بھئی، خیر تو ہے۔ یہ اچانک ہوٹل البان کی کیا سوجھ گئی اور وہ بھی میری کار میں۔ ارے میں سمجھ گیا، تم شاید شہزادہ علی باقر کی ہیروں والی تقریب دیکھنے جا رہے ہو۔ بھئی سچ تو یہ ہے کہ آج میں بھی گھر میں اکیلا بور ہو رہا ہوں۔ تمہاری آنٹی اور بچے اپنے نانکے گئے ہوئے ہیں۔ تو کیوں نہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ مگر تم لوگوں کو میری کار کی کیا ضرورت پڑ گئی، جب کہ تمہارے پاس موٹر سائیکلیں ہیں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شہزادے موٹر سائیکلوں پر سفر نہیں کیا کرتے انکل۔"

"شہزادے، کیا مطلب؟"

"ہم وہاں جوابی شہزادوں کے روپ میں جا رہے ہیں۔ اگر آپ بھی ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو یہیں آ جائیے، ہم آپ کو ریاست کا والی بنا دیں گے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، جوابی شہزادے۔ وہ کیسے ہوتے ہیں۔" خان رحمان نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بس آپ یہاں آ جائیے، ظہور کے ساتھ، پھر ہم آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔"

"اچھا، ہم آ رہے ہیں۔" آخر انہوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد خان رحمان بھی کسی ریاست کے والی نظر آ رہے تھے۔ ان کے گلے میں بڑے بڑے موتیوں کی ایک مالا جھول رہی تھی۔ ظہور بھی شاہی ڈرائیور

نظر آ رہا تھا۔ اس کے جسم پر دودھ ایسی سفید وردی تھی۔ سر پر ایک ٹوپی تھی۔ تاہم اس کی شکل پر اڑھائی بج رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

اور پھر وہ گھر سے نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔ ظہور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اس وقت تک وہ اچھی بھلی ڈرائیونگ سیکھ چکا تھا۔ خان رحمان نے بارعب آواز میں کہا:

''ہوٹل البان چلو۔''

''ایک منٹ انکل، ایک کام تو رہ ہی گیا۔''

''کون سا کام رہ گیا؟'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

''میں ابھی آیا۔'' محمود نے کہا اور کار سے اتر کر گھر کی طرف چلا گیا۔ تین منٹ بعد کہیں اس کی واپسی ہوئی۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے کہا:

''میں نے اپنی آمد کی اطلاع ہوٹل کے منیجر کو دے دی۔ اب ہوٹل کی انتظامیہ ہمارے استقبال کے لیے دروازے پر موجود ہوگی۔''

''ویری گڈ، یہ تم نے اچھا کیا۔'' خان رحمان خوش ہو کر بولے، پھر چونک اٹھے:

''ارے بھئی، ہمارے نام کیا ہیں؟''

''اوہ ہاں، یہ بات تو رہ ہی گئی۔ خیر، آپ ریاست جالات کے والی خان دادا ہیں۔ میں شہزادہ رستم، فاروق شہزادہ جاں باز، فرزانہ شہزادی الماس۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''خود رستم بن گئے، فاروق کو جاں باز بنا ڈالا اور مجھے صرف شہزادی الماس۔'' فرزانہ نے منہ بنایا۔

''اگر تمہیں اپنے لیے یہ نام پسند نہیں تو جو پسند ہو، وہ رکھ لو، ہمیں کوئی

اعتراض نہیں۔''

''ٹھیک ہے، میرا نام شہزادی الماس جنگ ہے۔''

''لو، لفظ جنگ ساتھ لگنے سے اس کا نام بھی دلیرانہ ہو گیا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''اور ڈرائیور کا نام؟'' خان رحمان بولے۔

''ڈرائیور کا نام بانکے میاں ٹھیک رہے گا، کیوں ظہور میاں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔'' محمود بولا۔

''میں نے تو باورچی سے ڈرائیور بننے پر بھی اعتراض نہیں کیا۔'' ظہور نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ظہور کی بیگم نے باورچی خانے کا زیادہ تر کام سنبھال لیا ہے، لہٰذا اسے ڈرائیونگ سکھانا پڑی۔ اب تو یہ دن رات عیش کرتا ہے۔'' خان رحمان نے انہیں بتایا۔

''جی عیش، وہ کیسے؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''جب بھی بازار سے سودا سلف لانا ہوتا ہے، کار میں جا کر لاتا ہے۔''

''ارے پھر تو ظہور کی واقعی عیش ہو گئی۔ کیوں ظہور؟''

''دور کے ڈھول سہانے۔'' ظہور نے سرد آہ بھری۔

''دور کے ڈھولوں کا یہاں کیا ذکر؟'' فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''عیش اور خان صاحب کے ہاں۔ یہ میرے لیے دور کے ڈھول والی ہی بات ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن انکل تو بتا رہے ہیں کہ اب تم معمولی ضرورت کے لیے بھی کار لے کر جاتے ہو۔''

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن کان کا پکڑوانا جوں کا توں جاری ہے۔" اس نے روتی آواز میں کہا۔

"ارے ارے، اب کان پکڑنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔"

"کار میں تیل ڈلوانا بھول جاؤں تو کان پکڑنے پڑتے ہیں۔ اس کی صفائی میں کوئی نقص نکل آئے تو کان پکڑو۔ گاڑی کی کہیں ذرا سی بھی سائڈ لگ جائے تو کان پکڑو؛ گویا کان پکڑنا نہ ہوا، مذاق ہوگیا۔"

"چچ، چچ، بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ کیا ہم انکل سے تمہاری سفارش کریں؟"

"ایک نہیں سنی جائے گی۔" ظہور نے گویا اعلان کیا۔

"کیوں انکل؟" محمود خان رحمان کی طرف مڑا۔

"ہاں، یہ بات تو ٹھیک ہے ظہور کی۔ بھئی بات دراصل یہ ہے کہ جب تک میں ظہور کو کان نہ پکڑوالوں، میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔" خان رحمان نے بھی بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اوہ، پھر تو مجبوری ہے بھئی ظہور۔ کیونکہ ہم اپنے انکل کو بدہضمی میں تو مبتلا کرنے سے رہے۔" فاروق بولا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ایک نہیں سنی جائے گی۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"ویسے تم کار بہت اچھی چلانے لگے ہو، حیرت ہے۔" فرزانہ بولی۔

"سکھانے والا بھی تو آخر میں ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"لیجیے ہم پہنچ گئے۔" ظہور کے منہ سے نکلا۔ انہوں نے چونک کر نظریں اوپر اٹھائیں۔ ہوٹل البان کے سامنے سے تو وہ اکثر گزرے تھے۔ لیکن اس میں قیام کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جوں ہی ان کی کار رکی۔ کئی باوردی بیرے ان کی طرف لپکے۔

سب سے آگے سوٹ میں ملبوس ایک آدمی تھا۔

"غالباً آپ ہی والی جالات ہیں۔" اس نے کار کا دروازہ ادب سے کھولتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، اور آپ؟" خان رحمان بارعب آواز میں بولے۔

"میں آپ کا خادم، اس ہوٹل کا منیجر، عارف راز۔"

"بہت عجیب نام ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"عارف میرا نام ہے اور راز تخلص، اس میں عجیب بات کیا ہے۔" عارف راز نے برا مانے بغیر کہا۔

"ارے تو آپ شاعر بھی ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"جی نہیں، تخلص رکھنے کے لیے شاعر ہونا ضروری نہیں۔" اس مرتبہ اس کا منہ قدرے بن گیا۔

"خیر خیر، یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم اپنا تعارف کرائے دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ہمیں فوراً ہمارے کمروں تک لے جائیں گے۔ ہم کاؤنٹر پر رک کر لوگوں کی نظروں کا نشانہ بننا پسند نہیں کریں گے۔ ہم والئ جالات ہیں۔ یہ شہزادہ رستم، شہزادہ جاں باز اور شہزادی الماس جنگ ہیں۔"

"آپ لوگوں سے مل کر بے پناہ خوشی ہوئی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ پانچویں منزل کے ایک عالی شان کمرے میں بیٹھے تھے۔ ان کے لیے تین کمرے بک کیے گئے تھے۔ اب انہیں شام کی تقریب کے انتظار کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ آخر خدا خدا کر کے تقریب کا وقت نزدیک آیا اور وہ اپنے کمرے سے نکل کر ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور یہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں ہزاروں آدمی سما سکتے تھے۔

ایک بیرے نے ان کی کرسیوں تک رہنمائی کی۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ سب کے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے دروازے سے نکل کر ایک بہت لمبے قد کا آدمی ہال میں داخل ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بہت بڑا تھا۔ اس پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ عمر سے تقریباً پینتالیس سال کا دکھائی پڑتا تھا۔ اس کے چہرے پر فخر اور غرور کی گہری تہیں جمی تھیں۔ اس کے چلنے کا انداز بھی بہت مغرورانہ تھا۔ پورے ہال میں ان کے سوا کوئی نہیں تھا جو اپنی کرسیوں سے نہ اٹھا ہو۔ یہ لوگ بیٹھے رہے۔ ان کی کرسیاں بھی نمایاں جگہ پر تھیں، اس لیے فوراً ہی یہ بات نوٹ کر لی گئی کہ یہ شہزادہ علی باقر کے استقبال کے لیے نہیں اٹھے۔

شہزادہ علی باقر نے بھی ان کی طرف تیز نظروں سے دیکھا، اس کے پیچھے چار خادم باادب ہو کر قدم اٹھا رہے تھے۔ اچانک شہزادہ علی باقر کے ہونٹ ہلے۔ چاروں خادموں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور وہ سمجھ گئے کہ شہزادے نے اپنے خادموں سے ان کے بارے میں کچھ کہا ہے۔

''ہم لوگ تو فوراً ہی شہزادہ صاحب کی نظروں میں آ گئے۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''بلکہ ان کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔'' فاروق بولا۔

''یہ ہماری غلطی سے ہوا۔ ہمیں سب کے ساتھ کھڑے ہو جانا چاہیے تھا۔'' محمود بولا۔

''کیوں کھڑے ہو جاتے، کسی کا دیا کھاتے ہیں۔'' خان رحمان نے بھنا کر کہا۔

''اوہ ہاں ٹھیک تو ہے، آخر آپ بھی والیٔ ریاست ہیں۔'' محمود مسکرایا۔

''اور کیا۔'' انہوں نے اکڑ کر کہا۔ اسی وقت انہوں نے سنا، شہزادہ علی باقر کہہ رہا تھا:

''میں اپنے تمام دوستوں اور معزز شہریوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس تقریب کو رونق بخشی۔ سب سے پہلے میں اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کروں گا۔ اس کے بعد سب لوگوں کی خدمت میں مشروبات پیش کیے جائیں گے۔ واضح رہے کہ اس بار کے ہیرے انتہائی قیمتی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے ایک خادم کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

''آصف سالار، ہیروں کا بکس الماری سے نکال لاؤ۔ یہ رہی چابی۔''

آصف سالار نے چابیوں کا گچھا اٹھایا۔ شہزادے کے سامنے ادب سے جھکا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ شہزادہ اپنے ارد گرد موجود دوستوں سے باتوں میں مشغول ہو گیا۔

''میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کرتا ہو۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''تو شہزادہ علی باقر کو دیکھ لو نا، منع کس نے کیا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''سوال یہ ہے کہ تم لوگوں نے یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔'' خان رحمان نے سرگوشی کی۔

''جی بس یونہی، ہمیں وہ اشتہار بہت عجیب لگا تھا۔'' محمود بولا۔

''اس کے لیے تو تم شہزادوں کے روپ کے بغیر بھی آ سکتے تھے۔'' انہوں نے کہا۔

''یہ بات فاروق کے ذہن میں سمائی تھی انکل، اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ جب اس کے ذہن میں کوئی بات سما جاتی ہے تو پھر یہ حضرت اس پر عمل کیے بغیر

نہیں رہتے۔"

"ہاں، میرا خیال ہے، میں یہ بات جانتا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟ کیا آپ کو یقین نہیں ہے۔"

اسی وقت انہوں نے شہزادہ باقر کو کہتے سنا:

"یہ آصف سالار کہاں رہ گیا۔ الماری میں بالکل نمایاں جگہ تو ہیروں کا بکس رکھا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں جناب والا، کہیں اس سے تالا نہ کھلا ہو۔" دوسرے خادم نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھی ہال سے باہر نکل گیا۔ سب ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ہال میں یک لخت مکمل طور پر خاموشی چھا گئی ہر کوئی دل کی دھڑکنیں صاف سن رہا تھا۔ اس مکمل خاموشی میں اچانک دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی، پھر ایک شخص بدحواسی کے عالم میں ہال کے اندر داخل ہوا۔ سب نے دیکھا، وہ دوسرا خادم تھا۔

☆☆☆

ہیرے

اس کی آنکھیں خوف کی زیادتی سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اندھوں کی طرح چلتا وہ شہزادہ علی باقر کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔

"خیر تو ہے بہادر یار۔" شہزادہ علی باقر بوکھلا اٹھا۔

"خیر نہیں ہے جناب عالی۔" اس نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" شہزادہ علی باقر کے منہ سے نکلا۔

"آپ خود ہی چل کر دیکھ لیجیے۔" اس نے کہا اور پھر وہ دھڑام سے گر پڑا۔ شہزادہ علی باقر کے بقیہ دو خادم تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جھک کر اسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ تو بے ہوش ہو چکا تھا۔

"جناب والا، بہادر یار بے ہوش ہو چکا ہے۔"

"یہ۔ یہ سب کیا ہے، کیا ہو رہا ہے۔ ٹھہرو، پہلے میں اپنے کمرے میں دیکھ لوں، وہاں کیا ہوا ہے۔" یہ کہہ کر شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کتنے ہی لوگ اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھے۔ یہ لوگ بھی بیٹھے نہ رہ سکے۔

"آیئے انکل، ہم بھی چلیں۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"میرا جانا تو مناسب نہیں ہوگا۔ ہاں تم تینوں چلے جاؤ۔" خان رحمان نے دبی آواز میں کہا۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ آؤ بھی ہم ہی چلیں۔" محمود نے کہا اور تینوں لوگوں کے پیچھے دروازے کی طرف چل پڑے۔ باہر نکل کر وہ لفٹ کی طرف بڑھے، لیکن بھلا اتنے بہت سے آدمی لفٹ میں کیسے سماتے باقی لوگوں نے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ وہ بھی سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔

تیسری منزل پر یہ قافلہ کمرہ نمبر ۲۱۰ کے سامنے رک گیا۔ وہاں پہلے ہی بہت بھیڑ ہو چکی تھی۔ دروازے پر لوگ اس قدر جمع ہو چکے تھے کہ ان کے لیے اندر دیکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ اچانک برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز گونجی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ منیجر پولیس کے چند آفیسروں کے ساتھ چلا آرہا تھا۔ انہیں دیکھ کر لوگ کائی کی طرح چھٹ گئے۔ کمرے کا دروازہ انہیں صاف نظر آنے لگا، لیکن اندر کا منظر ابھی بھی نظر نہ آسکا۔ آخر منیجر اور پولیس والے اندر داخل ہوئے اور ان کے ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اندر گھس گئے۔ دوسرے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔

اندر کا منظر ہیبت ناک تھا۔ آصف سالار فرش پر چت پڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ خنجر اس کے سینے میں دستے تک دھنسا ہوا تھا۔ وہ ایک الماری کے بالکل نیچے پڑا تھا۔ اس الماری کے دونوں پٹ کھلے تھے۔ الماری اندر سے بالکل خالی تھی۔ اس میں ہیروں کا کوئی بکس نہیں تھا۔ باقی سامان شاید اس الماری میں رکھا ہی نہیں گیا تھا۔

شہزادہ علی باقر لاش کے پاس فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گالوں پر جمی تھیں۔ قدموں کی آواز سن کر اس نے سر اوپر اٹھایا اور پھر پولیس پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا۔

"میرے خدمت گار کو قتل کر دیا اور ہیروں کا بکس اڑا لیا گیا اور یہ سب دن

دہاڑے ہوا۔ غضب خدا کا۔" اس کا انداز پچھاڑ کھانے والا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر ان تینوں پر پڑی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

تم لوگ کون ہو؟" چونکہ محمود، فاروق اور فرزانہ، منیجر اور پولیس کے آدمیوں کے پیچھے کھڑے تھے۔ اس لیے شہزادے کا منہ ٹھیک طرح ان کی طرف نہیں ہو سکا تھا۔

"ہم، ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔" ایک پولیس افسر نے تیز آواز میں کہا۔

"اور میں۔ میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں۔ آپ مجھے تو جانتے ہی ہیں۔"

"میں آپ لوگوں سے نہیں، آپ کے پیچھے کھڑے ہوؤں سے مخاطب ہوں۔" شہزادہ علی باقر بھنا اٹھا۔

اب وہ ایک ساتھ مڑے اور ان کے منہ بھی حیرت سے کھل گئے۔ پولیس آفیسر نے جھلا کر کہا۔

"کون ہیں آپ لوگ؟"

"ہم۔ ہم شہزادے ہیں، آپ دیکھ نہیں رہے۔" فاروق نے برا سا منہ بناتے ہوئے اپنے کپڑوں کی طرف اشارا کیا۔

"جی ہاں، یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بھی شہزادے ہیں۔" منیجر بڑبڑایا۔

"آپ لوگ کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔" پولیس افسر بولا۔

"یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا معاملہ ہے؟" محمود نے کہا۔

"اب آپ دیکھ چکے ہیں تو جائیے باہر۔"

"جی بہتر، آؤ بھی نیچے چلیں۔"

"ایک منٹ۔ تم لوگ اس طرح نہیں جا سکتے۔" شہزادہ علی باقر غرایا۔

"تو پھر، آپ ہی فرمایئے، ہم کس طرح جا سکتے ہیں، ہم اسی طرح چلے جائیں گے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ محمود اور فرزانہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی۔ شہزادہ علی باقر کا منہ سرخ ہو گیا۔

"انسپکٹر صاحب، مجھے ان لوگوں پر شک ہے۔ میرا خیال ہے۔ اس واردات کا تعلق ان لوگوں سے ضرور ہے۔" اس نے تقریباً چلا کر کہا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" پولیس افسر نے حیران ہو کر کہا۔

"نیچے ہال میں بھی مجھے ان پر شک گزرا تھا۔ پورا ہال ہمارے اندر داخل ہونے پر اٹھ کھڑا ہوا تھا، صرف یہ لوگ بیٹھے رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس نے کسی ریاست کے والیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔"

"جی ہاں، وہ والیٔ جالات ہیں، نیچے تشریف رکھتے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"والیٔ جالات، ہم نے اس ریاست کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔" شہزادہ علی باقر نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

"یوں تو ہم نے بھی ریاست سیستان کا نام نہیں سنا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ریاست سستان اس ملک کے جنوب میں واقع ہے۔ پہاڑوں کے درمیان گھری ایک خودمختار ریاست ہے۔" شہزادہ علی باقر نے اکڑ کر کہا۔

"تو پھر سن لیجیے کہ ریاست جالات اس ملک کی مغربی سمت میں واقع ہے۔ وہ بھی ایک خودمختار ریاست ہے۔" محمود نے بحث کرنے کے انداز میں کہا۔

"ہم یہاں بحث اور مباحثے کے لیے نہیں، اس واردات کا جائزہ لینے آئے ہیں۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ شہزادہ صاحب کے ہیرے کس نے چوری

کیے اور ان کے ملازم کو قتل بھی کیا۔" پولیس افسر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ اپنا کام کیجیے، اگر ہم پر شک ہے تو ہمیں بھی تفتیش میں شامل کر لیجیے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، آپ لوگ کمرے میں ہی رہیں۔ میں لاش اور کمرے کا معائنہ کرنے کے بعد آپ سے سوالات کروں گا۔" انسپکٹر پولیس بولا۔

"ضرور کیجیے گا۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے اور تینوں خود بھی کمرے اور لاش کا کھڑے رہ کر جائزہ لینے لگے۔

اچانک فرزانہ کی نظریں ایک چیز پر پڑیں اور پھر اس نے اپنی نظریں فوراً ہی ادھر سے ہٹا لیں تاکہ پولیس انسپکٹر اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس چیز کو نہ دیکھ لے۔ محمود اور فاروق بھی اس چیز کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ ان کی نظریں تو لاش پر جمی ہوئی تھیں، جسے انسپکٹر پلٹ رہا تھا، تاکہ اس کے نچلے حصے کا بھی جائزہ لیا جا سکے۔ جوں ہی لاش پلٹی گئی، وہ سب چونک اٹھے۔

☆☆

انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید اپنے عزیز کے ہاں سے فارغ ہو کر واپس لوٹ رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے انہیں کوئی چیز پڑی نظر آئی ابھی صرف شام کے سات بجے تھے۔ اندھیرا اتنا نہیں پھیلا تھا، یوں بھی سڑک سنسان نہیں تھی۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں، لیکن شاید سڑک کے کنارے پڑی اس چیز پر نظر نہیں پڑی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس چیز کو سڑک پر گرے زیادہ دیر نہ ہوئی ہو۔

"کیا خیال ہے بیگم، یہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔"

"میرے خیال میں تو یہ زیورات کا ڈبا ہے۔"

"ہوں، شاید تمہارا خیال ہی ٹھیک ہے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے ڈبے

کے بالکل نزدیک کار روک دی اور نیچے اترے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، آس پاس کوئی نہیں تھا۔ نہ ہی دونوں طرف سے کوئی گاڑی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ آخر انہوں نے جھک کر ڈبا اٹھالیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔

’’ارے، اس میں تو ہیرے ہیں۔‘‘

’’ہیرے؟‘‘ بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

’’ہاں، ہیرے۔ نہ جانے یہ بکس کس کا ہے اور اس سے سڑک پر کیسے گر گیا۔ میں نے آج تک ایسا لاپروا آدمی نہیں دیکھا، جو ہیروں کا بکس سڑک پر گرا دے اور اسے پتا بھی نہ چلے۔ اب اگر ہم یہ ڈبا یہیں چھوڑ دیں، تو اسے کوئی ضرور اٹھا لے جائے گا، لہذا اس بکس کو ہم اپنے ساتھ لیے چلتے ہیں، تاکہ یہ جس کسی کا بھی ہے، اسے مل جائے۔‘‘

’’یہ ٹھیک رہے گا۔‘‘ بیگم جمشید بولیں۔

انہوں نے بکس کار کی پچھلی سیٹ پر رکھا اور آگے روانہ ہوئے۔ پھر کچھ سوچ کر انہوں نے کار کا رخ دائیں طرف جانے والی ایک سڑک پر موڑ دیا۔

’’کیوں، کیا سیدھے گھر نہیں چل رہے ہیں؟‘‘

’’نہیں بیگم، مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔ میں ذرا ایک ضروری کام کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

بیگم جمشید سمجھ نہ سکیں کہ وہ کیا ضروری کام کرنا چاہتے ہیں؛ تاہم خاموش رہیں۔ وہ اپنے شوہر اور ان کے کاموں سے اچھی طرح واقف تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار ایک پولیس اسٹیشن کے پاس رکی۔ انہوں نے بیگم کو تو کار میں ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود پولیس سٹیشن کے اندر داخل ہو گئے۔ گیٹ پر موجود کانسٹیبل انہیں نہیں جانتا تھا، لیکن اندر موجود سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر

بوکھلا گیا۔

’’اوہو۔ آپ۔ آپ نے کیسے تکلیف کی۔‘‘

’’انسپکٹر شان کہاں ہیں؟‘‘ وہ بولے۔

’’ہوٹل البان میں کوئی واردات ہوگئی ہے، وہاں گئے ہیں۔‘‘

’’کیا کہا، ہوٹل البان؟‘‘ ان کے لہجے میں حیرت تھی، کیونکہ ہیروں کا بکس انہیں ہوٹل البان کے پچھلے حصے والی سڑک پر سے ملا تھا۔

’’جی ہاں۔‘‘ سب انسپکٹر بولا۔

’’اچھا خیر، یہ نوٹ کرلیں کہ مجھے سڑک پر سے ایک بکس ملا ہے۔ اس میں کچھ ہیرے ہیں۔ اگر کوئی شخص رپورٹ درج کرانے آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیجئے گا۔‘‘ یہ رہا میرا کارڈ۔ اس پر پتا درج ہے۔‘‘

’’ہیروں کا بکس۔‘‘ سب انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

’’ہاں۔‘‘

انہوں نے کہا اور واپس مڑے۔ باہر نکل کر کار میں بیٹھے اور پھر کار کا رخ گھر کی طرف ہو گیا، لیکن ابھی ایک کلو میٹر فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ ایک چوراہا آتے ہی انہوں نے کار کا رخ ایک بار پھر موڑ دیا۔

’’خیر تو ہے۔ آپ نے رخ پھر تبدیل کر دیا۔‘‘

’’ہاں، مجھے ایک اور خیال آگیا ہے۔‘‘ انہوں نے پراسرار انداز میں کہا۔

جلد ہی ان کی کار ایک بہت بڑی دکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

☆☆☆

تلاش ادو

ان سب نے دیکھا، لاش کے نیچے ایک پستول دبا ہوا تھا۔ ایک بالکل ننھا سا پستول۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے انسپکٹر نے ہاتھ پر رومال لپیٹا اور پستول کو نال کی طرف سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ نالی میں جھانکا، اسے سونگھا اور بولا:

''اس پستول سے بھی گولی چلائی گئی ہے۔ شہزادہ صاحب، کیا یہ پستول آپ کے خدمت گار کا ہے؟''

''ہاں بالکل، ہمارے ہر خدمت گار کے پاس ایک پستول موجود ہے اور یہ ہماری حفاظت کے لیے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اس خدمت گار نے حملہ آور پر گولی چلائی تھی۔ اب چونکہ اس کمرے کے فرش پر پہلے ہی خون پھیلا ہوا ہے، اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ گولی اس کے لگی تھی یا نہیں۔'' انسپکٹر ابھی کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ اچانک فرزانہ درمیان میں بول پڑی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب؟'' اس کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔

''کیا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''یہ کہ اسے گولی لگی ہو اور اس کا خون الگ نظر نہ آئے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''تم دیکھ نہیں رہے، فرش پر ہر طرف خون ہی خون ہے۔''

''لیکن حملہ آور کو تو اس کمرے سے بھاگ کر نکلنا پڑا ہے۔ اگر اس کے گولی لگ گئی، تب تو دروازے کے قریب، دروازے سے باہر اور برآمدے میں بھی خون کے قطرے یا دھبے ہونے چاہئیں۔''

''اوہ۔'' وہ چونک اٹھے۔ انسپکٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک چھوٹی سی بچی اسے سبق دینے چلی تھی۔ یہ بات وہ بھلا کس طرح برداشت کر لیتا، لیکن بات بالکل درست تھی، اس لیے اسے برداشت کرنا پڑا اور برداشت کرنے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''ٹھیک ہے، تم لوگ دروازے پر اور دروازے سے باہر خون کے دھبے تلاش کرو۔'' اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا اور وہ فوراً باہر نکل گئے۔

''صاف ظاہر ہے، یہ قتل ہیروں کے بکس کے لیے ہوا ہے۔ کوئی شخص پہلے سے تاک میں تھا۔ جوں ہی آپ کے خدم گار نے اندر داخل ہو کر الماری سے ہیروں کا بکس نکالا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر حملہ کر دیا، ادھر خدمت گار نے پستول نکال کر اس پر فائر کر دیا، لیکن اس کا فائر بے کار گیا اور خنجر اس کے لگ گیا۔ اس کے فوراً بعد وہ ہیروں کا بکس لے کر بھاگ نکلا۔'' یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

فاروق کا جی چاہا، اس موقعے پر کہہ دے کہ یہ اندازہ تو ایک بچہ بھی لگا سکتا ہے۔ لیکن خاموش رہا۔ کیونکہ پہلے ہی فرزانہ کے خیال نے اسے چراغ پا کر دیا تھا۔ اسی وقت اس کے ماتحت اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''برآمدے میں خون کے کچھ دھبے موجود ہیں سر، لیکن وہ لوگوں کے قدموں کے نیچے آ کر پھیل گئے ہیں۔''

''تب تو شاید حملہ آور بھی زخمی ہو گیا ہے اور ایک زخمی آدمی کو گرفتار کرنا اتنا

مشکل نہیں ہوگا۔ وہ ضرور زخم کے علاج کے لیے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرے گا۔" انسپکٹر بولا، پھر اپنے ماتحتوں سے مخاطب ہوا:

"تم تمام پولیس سٹیشنوں کو خبر کر دو، ہمیں ایک زخمی آدمی کی تلاش ہے۔ اس کے گولی لگی ہے۔ ہیروں کا ذکر نہ کرنا۔"

"لیکن جناب، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گولی نہ لگی ہو۔ صرف اس کے جوتے مقتول کے خون سے بھر گئے ہوں اور برآمدے میں نظر آنے والے دھبے دراصل مقتول کے خون کے ہوں۔" فرزانہ ایک بار پھر خاموش نہ رہ سکی۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے کیا کہہ رہی تھیں اور اب کیا کہہ رہی ہیں۔" انسپکٹر بھنا اٹھا۔

"انہوں نے صرف امکانات پیش کیے ہیں جناب۔ دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔" محمود نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

"مجھے تو سب سے زیادہ شک انہی پر ہے۔" شہزادہ علی باقر بڑبڑایا۔

"آپ فکر نہ کریں، انہیں بھی چیک کیا جائے گا۔" انسپکٹر نے فوراً کہا اور پھر اپنے ماتحتوں کو ہدایت پر عمل کرنے کا اشارا کیا۔ اس دوران فرزانہ غیر محسوس طور پر اس چیز کی طرف کھسک رہی تھی۔ محمود اور فاروق سے اس کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی، کیونکہ اس کے سرکنے سے ان کا درمیانی فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا۔ دونوں سمجھ گئے کہ فرزانہ بلاوجہ نہیں سرک رہی؛ چنانچہ انہوں نے بھی اسی کے انداز میں سرکنا شروع کر دیا۔

"میرا کام اب یہاں ختم ہے۔ میں اب دوسرے کمرے میں آپ لوگوں کے بیانات لوں گا۔ عملہ لاش کی تصویریں لے گا اور پھر لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ فرش اور برآمدے میں ملنے والے خون کا بھی تجزیہ کرایا جائے گا، تاکہ معلوم

ہو سکے، خون ایک ہی آدمی کا ہے یا دو آدمیوں کا۔ شہزادہ صاحب، آپ بے فکر رہیں۔ آپ کے ہیرے بہت جلد برآمد کر لیے جائیں گے۔"

"شکریہ جناب، مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا، لیکن اب میں اپنے دوستوں کا کیا کروں۔" شہزادہ علی باقر نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"انہیں ساری بات سمجھا دیں۔ وہ بکس ملنے تک انتظار کر لیں گے۔ جب بکس مل جائے تو آپ انہیں پھر دعوت دے سکتے ہیں۔"

"ہوں، اب اس کے سوا کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" ان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"آیئے دوسرے کمرے میں چلیں، تاکہ عملہ آسانی سے اپنا کام مکمل کر سکے، اور ہاں آپ تینوں بھی آیئے۔"

عین اسی وقت فرزانہ تڑ سے گری۔ وہ تیزی سے اس کی طرف گھوم گئے۔

"ارے ارے، کیا ہوا؟" محمود اور فاروق بوکھلا کر اس پر جھک گئے۔ انسپکٹر کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"مم۔ مجھے۔ مجھے چکر آ گیا تھا۔ نہ جانے اس بیماری سے کب چھٹکارا ملے گا۔"

"لیکن تم بھی تو دوائیں باقاعدگی سے نہیں کھاتیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔ دونوں نے مل کر اُسے اٹھایا۔ وہ دیوار کے ساتھ بچھے صوفے کے پاس گری تھی۔

"کیا خیال ہے، تمہیں اسی صوفے پر لٹا دیں۔" فاروق کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔

"پاگل ہوئے ہو، میں اس لاش کے پاس لیٹوں گی۔" فرزانہ نے بوکھلا کر

کہا۔

"تو پھر میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آئیے۔ چلیے آپ لوگ آگے چلیے۔" انسپکٹر کا لہجہ اس مرتبہ نرم تھا۔

آخر وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ کرسیوں اور صوفوں پر اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انسپکٹر شہزادہ علی باقر کی طرف مڑا۔

"منیجر صاحب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ہر سال اسی ہوٹل میں آ کر ٹھہرتے ہیں اور اپنے دوستوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اس دعوت میں آپ اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کرتے ہیں، کیا یہ باتیں بالکل درست ہیں؟"

"ہاں، صوفی صد درست ہیں۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"آپ اتنے بہت سے ہیرے کہاں سے لے آتے ہیں؟" انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں ایک ریاست کا شہزادہ ہوں۔ میری ریاست میں ہیروں کی کئی کانیں ہیں۔ وہاں ہیرے اس طرح بکھرتے رہتے ہیں، جیسے اس ملک میں کنکر پتھر۔ لیکن یہاں ہیرے ڈھونڈے نہیں ملتے؛ چنانچہ میں اپنے دوستوں کے لیے ہیرے لے آتا ہوں۔"

آپ ان ہیروں کو عالمی منڈیوں میں فروخت کر کے بے تحاشا دولت کیوں حاصل نہیں کرتے، اس طرح آپ اپنی ریاست کو ترقی دے سکتے ہیں۔" محمود نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔

"میں یہ کام بھی کر رہا ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنے دوستوں کو محروم کر دوں۔"

"آپ کی ریاست کہاں واقع ہے؟"

"بتا تو چکا کہ جنوبی پہاڑوں کے درمیان گھری ایک خود مختار ریاست ہے، اب میں ہی وہاں کا حکمراں ہوں، کیونکہ میرا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور حکومت کے کام کاج بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ اس لیے ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں پر آ پڑی ہیں۔"

"اور آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی۔"

تعلیم کے لیے مجھے میرے باپ نے بچپن میں ہی ایک ترقی یافتہ ملک میں بھیج دیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ہی میں اپنی ریاست میں لوٹا۔ اور اسی وقت والد نے حکومت مجھے سونپ دی۔ اسی وقت سے میرا یہ معمول ہے کہ میں اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کرتا ہوں۔"

"لیکن آپ تو ساری عمر اس ملک میں رہے، جس میں آپ کو تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا، پھر اس ملک میں آپ کے اتنے بہت سارے دوست کیسے بن گئے۔" فرزانہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

سوال سن کر وہ بھی چند سیکنڈ تک فرزانہ کی طرف بغور دیکھتا رہا اور پھر مسکرا کر بولا:

"بہت خوب آپ بہت عقلمند لڑکی ہیں۔ خیر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس ملک میں آپ کے ملک کے بھی بہت سے لوگ تعلیم حاصل کرنے اور ملازمتیں وغیرہ کرنے کے سلسلے میں موجود تھے۔ میرا دوستی کا حلقہ وہاں ہی وسیع ہو گیا تھا، شاید لوگ اس لیے بھی مجھ سے دوستی کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں کہ میں ایک شہزادہ ہوں۔"

"آپ کا یہ خیال ٹھیک ہے۔" انسپکٹر نے زبان کھولی، پھر ان تینوں کی طرف مڑا۔

''اب آپ سے چند سوال ہو جائیں۔''

''جی ضرور۔'' محمود نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

''آپ کا تعلق کس ریاست سے ہے۔''

''ریاست جالات سے، یہ اس ملک کے مغربی سمت میں واقع ہے۔'' محمود بولا۔

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور کمرے کے دروازے میں والی جالات یعنی خان رحمان نظر آئے۔

''خیر تو ہے بھئی، تم لوگ تو یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ہم تمہارے انتظار میں نیچے سوکھ کر کانٹا ہو چلے تھے، لہذا ہم نے سوچا، کیوں نہ ہم بھی اوپر ہی آ جائیں۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا، بس ہم فارغ ہونے ہی والے ہیں۔ انسپکٹر صاحب ہم سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن کس سلسلے میں؟'' خان رحمان نے برا سا منہ بنایا۔

''آپ نے سن ہی لیا ہوگا کہ یہاں شہزادہ صاحب کے خدمتگار کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

''ہاں، نیچے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی ہے، پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ہم نہ سُن لیتے، جب کہ ہم بھی یہیں ہیں۔'' خان رحمان نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ان لوگوں کا خیال ہے۔ نہیں، ان لوگوں کا نہیں۔ شہزادہ علی باقر صاحب کا خیال ہے کہ اس واردات میں ہمارا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''ارے، اتنا غلط خیال ان کے ذہن میں کیسے آ گیا، ہم کوئی گرے پڑے ہیں۔'' خان رحمان نے آنکھیں نکالیں۔

''قانون قانون ہے، ان لوگوں کو اپنا اطمینان کر لینے دیجئے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ انسپکٹر صاحب، ذرا جلدی اپنا اطمینان کر لیجئے۔''

''میں یہ کام اب آپ لوگوں کی تلاشی سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔'' انسپکٹر ایک دم بولا۔

''جی کیا مطلب؟'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''سب سے پہلے آپ ہی کھڑی ہو جائیے، میں آپ کی جیبوں کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔'' انسپکٹر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''لیکن کیوں، آپ کو تلاشی لینے کا کیا حق ہے۔''

''یہ قتل کا کیس ہے، سنا آپ نے۔'' انسپکٹر نے آنکھیں نکالیں۔

''سنا ہی نہیں، آنکھوں سے دیکھا بھی ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''شہزادی الماس جنگ، کیا ہم چور ہیں۔'' خان رحمان نے تیز آواز میں کہا۔

''جی، جی نہیں تو۔''

''تو پھر تم تلاشی دینے سے کیوں گھبرا رہی ہو؟''

''جی، جی نہیں تو۔ میں گھبرا کب رہی ہوں۔''

''تو پھر دے دو تلاشی تاکہ ہم جلد از جلد فارغ ہو جائیں۔''

''جی بہتر۔'' اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور اپنے ہاتھ اٹھا لیے اسے اندازہ نہیں تھا کہ اچانک انسپکٹر ان کی تلاشی لینے کا پروگرام بنا لے گا۔ اگر اسے یہ خیال آ جاتا تو وہ اس چیز کو کبھی جیب میں نہ رکھتی جو اس نے کمرۂ واردات سے گھر کر اٹھائی تھی اور اب انسپکٹر کے ہاتھ اس کی اسی جیب کی طرف بڑھ رہے تھے۔

بیگم جمشید نے نظریں اوپر اٹھا کر دیکھا۔ دکان کی پیشانی پر موٹے حروف میں لکھا تھا: ''انصار جیولرز'' ان حروف کے گرد رنگین بلب جل اور بجھ رہے تھے۔ بیگم جمشید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکیں:

''یہاں کس لیے آئے آپ؟''

''انصار خان اس شہر کے سب سے بڑے اور مشہور جوہری ہیں۔ ہیروں کو پرکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس معاملے میں ان کی بہت شہرت ہے۔ میں ذرا اس بکس کے ہیرے چیک کرانا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے، یہ بکس آپ کو سڑک پر سے ملا ہے۔ جس کسی کا ہوگا آ کر لے جائے گا، آپ کو ہیرے چیک کرانے کی کیا ضرورت ہے۔'' بیگم جمشید بولیں۔

''یہ بکس عجیب حالات میں ہمیں ملا ہے۔ سڑکوں پر کوئی ہیروں کا بکس گراتا نہیں پھرتا۔ ہمارے ملک میں ہیرے اتنے غیر اہم نہیں ہیں۔ یا تو بکس چوری کا ہے، یا پھر اس کا مالک انتہائی بدحواسی کے عالم میں تھا، شاید موت اس کے سر پر سوار تھی اور اس وجہ سے وہ بکس پھینک کر بھاگ نکلا۔''

''آپ کی آپ ہی جانیں۔ کیا میں یہیں ٹھہروں۔''

''اگر کوئی ہیرا خریدنے کا خیال ہے تو میرے ساتھ چلی آؤ۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''جی نہیں، مجھے ہیروں کا کوئی شوق نہیں۔'' انہوں نے منہ بنایا۔

''تو پھر کار میں ہی ٹھہرو۔'' انہوں نے کہا اور بکس ہاتھ میں اٹھائے دکان کے اندر چلے گئے۔ کاؤنٹر پر موجود تین چار آدمی ایک ساتھ ان کی طرف مڑے۔

''مجھے انصار خان سے ملنا ہے۔''

''اندر چلے جائیے۔''

''شکریہ۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور دکان کے آخر میں پہنچے۔ یہاں ایک کمرے کے باہر تختی پر انصار خان لکھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا: چنانچہ وہ اندر داخل ہو گئے۔ انصار خان سے ملنے کا انہیں پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اور نہ وہ اسے پہچانتے تھے۔ میز کی دوسری طرف کرسی پر انہیں ایک موٹے جسم کا سیاہ رنگ کا آدمی بیٹھا نظر آیا۔ اس کا سینہ اس طرح پھول اور پچک رہا تھا۔ جیسے بہت دور سے دوڑ کر آیا ہو۔

''انصار خان آپ ہی ہیں؟'' انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

''جی، میں۔'' اس کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ پہلے اس کی نظر ان کے چہرے پر پڑی اور پھر ان کے ہاتھ میں پکڑے بکس پر۔ اس نے فوراً کہا۔

''آپ تشریف رکھیے، انصار خان غسل خانے میں ہیں۔'' اس نے بغلی دروازے کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا، پھر خود کرسی سے اٹھ کر میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

''آپ کا نام۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''مجھے فارابی کہتے ہیں۔''

''فارابی۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے، جیسے کہہ رہے ہوں، یہ کیسا نام ہوا، پھر پوچھا۔

''آپ کا انصار خان سے کیا تعلق ہے؟''

''آپ کس لیے پوچھ رہے ہیں؟''

''بس یونہی۔''

''میں ان کا ملازم ہوں۔'' اس نے منہ بنایا۔

"اوہ سمجھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت بغلی دروازہ کی طرف ایک چست بدن کا ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ ان دونوں پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"فارابی، تم کب آئے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔" فارابی بولا۔

"آپ فرمائیے۔" اب انصار خان ان کی طرف مڑا۔

"اس بکس میں کچھ ہیرے ہیں، میں انہیں پرکھوانے کی غرض سے لایا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن یہ ہیرے ہیں کس کے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک سوداگر کے، وہ انہیں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا، کیوں نہ پہلے ان کے بارے میں آپ کی رائے لے لی جائے۔"

"ہوں، لیکن اس کام کی میں فیس لیا کرتا ہوں۔" انصار خان بولا۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کی فیس ادا کروں گا۔ آپ ہیرے دیکھیے۔" انہوں نے کہا: حالاں کہ اگر وہ چاہتے تو اپنا کارڈ دکھا کر بسلسلہ تفتیش یہ کام کرا سکتے تھے، لیکن انہوں نے مناسب نہیں سمجھا۔

انصار خان نے بکس کھولا۔ ہیروں پر ایک نظر ڈالی اور جیب سے عدسہ نکال کر اس کے ذریعے ہیروں کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے ایک ایک ہیرے کو بغور دیکھا۔ آخر تقریباً آدھ گھنٹے بعد سر اٹھایا۔

"یہ ہیرے بالکل اصلی ہیں۔ آپ انہیں شوق سے خرید سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ، آپ کی فیس۔"

"پانچ ہزار روپے۔" اس نے کہا۔

"کیا فرمایا، پانچ ہزار روپے، اتنے سے کام کے۔ آپ کو صرف تیس بتیس منٹ لگے ہوں گے۔" ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"جی ہاں، یہ میرے فن کی قیمت ہے۔ ہیروں کے بارے میں بالکل درست مشورہ پانچ ہزار روپے میں بھی سستا ہے، کیونکہ یہ لاکھوں روپے کا سودا ہوتا ہے۔ اگر کوئی ناتجربہ کار آپ سے سو دو سو روپے لے کر نقلی ہیروں کو اصلی کہہ دے تو آپ کو کتنا نقصان ہوگا۔ یہ بھی تو سوچیے۔"

"واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں، تو میں ان ہیروں کو بے فکر ہو کر خرید سکتا ہوں۔ یہ سب کے سب اصلی ہیں۔"

"جی ہاں، بالکل اصلی۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے پرس نکالا اور پانچ ہزار گن دیے۔ پھر بکس اٹھا کر بغل میں دبایا اور کمرے سے نکل آئے۔ دکان سے نکل کر انہوں نے جوں ہی کار آگے بڑھائی، ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

☆☆☆

گہرا چکر

محمود، فاروق اور خان رحمان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ فرزانہ کس لیے پریشان ہے۔ آخر انسپکٹر کا ہاتھ باہر نکلا۔ اس نے اپنی ہتھیلی ان سب کے سامنے کر دی۔ انہوں نے دیکھا، اس کی ہتھیلی پر ایک ننھا سا ہیرا جگمگا رہا تھا۔

''لیجیے جناب، چور پکڑا گیا۔''

''کیا مطلب، ہم چور کس طرح ثابت ہو گئے۔'' خان رحمان تلملا کر بولے۔

''اس ہیرے کے جیب سے برآمد ہونے کے بعد بھی آپ یہ پوچھ رہے ہیں۔'' انسپکٹر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کیا ہیرے جیب میں رکھنا جرم ہے۔'' محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ایسے کئی ہیرے ہر وقت ہماری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ دیکھیے، میری جیب میں بھی ہیرے موجود ہیں، پھر کیا ہم چور ثابت ہو جاتے ہیں، جب کہ میں ہال سے اٹھا بھی نہیں۔ شروع سے آخر تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب ان لوگوں کے واپس لوٹنے میں دیر ہو گئی، تب مجھے اوپر آنا پڑا۔ ہیرے اس بات کی گواہی دیں گے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر کر ہیرے جیب سے نکال لیے اور

انہیں میز پر ڈھیر کر دیا۔ ہیرے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اب کہیے، کیا کہتے ہیں۔ کیا صرف والیِ سیستان کے پاس ہی ہیرے ہو سکتے ہیں۔ کسی اور کے پاس نہیں ہو سکتے انسپکٹر صاحب، آپ یہ بھی نہ بھولیں کہ شہزادہ علی باقر تو ہر سال اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے سب دوست ہیرے اپنے پاس محفوظ تو نہیں رکھ لیتے ہوں گے، ان میں سے اکثر انہیں فروخت کر دیتے ہوں گے اور کوئی شوقین مزاج یہ قیمتی ہیرے خرید لیتا ہوگا۔ اس طرح اس شہر کے بہت سے امیر لوگوں کے پاس ہیرے ہوں گے۔ رہ گئے ہم، تو ہم تو یوں بھی والیِ جالات ہیں۔ ہمارے پاس ہیروں کی کیا کمی۔ بے شک ہماری ریاست میں ہیروں کی کانیں نہیں ہیں۔ لیکن ہم سونے کی کانوں کے ضرور مالک ہیں اور سونے سے ہیرے خریدے جا سکتے ہیں۔'' خان رحمان غصے کے عالم میں کہتے چلے گئے۔ ان کا چہرہ تمتما اٹھا۔

''آپ تو ناراض ہو گئے۔ لیجیے، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اپنے ہیرے اٹھا لیجیے۔ آپ بھی اپنا ہیرا سنبھالیے۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر نے فرزانہ والا ہیرا اسے دے دیا۔

خان رحمان نے ہیرے سمیٹے اور جیب میں رکھ لیے۔

''آؤ بھئی چلیں، اپنے کمروں میں۔'' انہوں نے سر کو جھٹکا دیا۔

چاروں باہر نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے۔ ایسے میں فرزانہ بولی:

''انکل، ہم اپنے کمرے میں نہیں جا رہے ہیں۔''

''وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ اب ہم اپنے کمروں میں جا کر کیا کریں گے۔''

''لیکن ہم گھر نہیں چل رہے۔'' فرزانہ بولی۔

''تو پھر؟'' انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

''آیئے، نیچے چل کر بتاؤں گی۔''

''ویسے انکل، اس وقت تو آپ نے کمال کر دیا۔ ہم حیران ہیں کہ آپ کی جیب میں ہیرے کہاں سے آ گئے؟'' محمود بولا۔

''آتے کہاں سے، گھر سے لے کر چلا تھا۔''

''لیکن کیوں، آپ کو ہیرے ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟'' فاروق بولا۔

''تم نے ہی تو فون پر بتایا تھا کہ جوابی شہزادے بن کر جانا ہے۔ میں نے سوچا، جوابی شہزادوں کے پاس کچھ اصل چیزیں بھی ہونی چاہئیں۔ جن کی موجودگی میں انہیں نقلی شہزادے نہ سمجھا سکے۔'' وہ بولے۔

''بھئی واہ۔ آپ نے کمال کر دیا۔'' فاروق خوش ہو کر بولا۔

''لیکن فرزانہ کی جیب سے ہیرا کیسے نکل آیا۔ فرزانہ کیا تم بھی گھر سے لے کر چلی تھیں۔''

''جی نہیں، وہ تو میں نے کمرۂ واردات سے چرایا تھا۔''

''کیا؟'' خان رحمان کے منہ سے نکلا۔ محمود اور فاروق تو خیر پہلے ہی اندازہ لگا چکے تھے۔ ہیرا اس کی جیب سے نکلتے ہی دونوں کو اس کے گرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

''جی ہاں، یہ ہیرا ایک صوفے کے پائے کی اوٹ میں پڑا تھا۔ میں نے سوچا، شاید قتل کے اس کیس میں ہیرے سے کچھ مدد مل جائے۔ اس لیے گرنے کے بہانے سے اسے اٹھا لیا تھا۔

''اوہ۔'' خان رحمان کے منہ سے نکلا، پھر انہوں نے ڈرے ڈرے انداز

میں کہا:

''اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی تو میں انسپکٹر سے اتنے مضبوط لہجے میں بات نہیں کر سکتا تھا۔'' ''چلیے شکر ہے کہ آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔'' فرزانہ نے ہنس کر کہا۔ محمود اور فاروق بھی ہنس پڑے۔

لفٹ میں سوار ہو کر وہ نیچے آئے اور پھر ہوٹل سے باہر نکلے۔

''چلیے انکل، ہمیں صرافہ بازار جانا ہے۔''

''صرافہ بازار، کیا زیورات خریدنے کا ارادہ ہے۔''

''جی نہیں، آیئے بس۔''

وہ کار میں بیٹھ گئے۔ خان رحمان حیران تھے؛ تاہم کچھ بولے نہیں۔ آخر ظہور نے گاڑی فرزانہ کے کہنے پر ایک دکان کے سامنے روک دی۔ دکان کی پیشانی پر انصار جیولرز لکھا تھا۔

''یہ اس شہر کے سب سے مشہور جوہری ہیں۔ میں یہ ہیرا ان سے پرکھوانا چاہتی ہوں۔''

''اس کی کیا ضرورت۔'' خان رحمان بولے۔

''ہیرے کس نے چرائے ہیں، شہزادہ باقر علی کے خدمت گار کو کس نے قتل کیا ہے، یہ سب چکر کیا ہے۔ یہ سب باتیں جاننے کے لیے ہمیں ہر بات کی تہہ تک پہنچنا پڑے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہیرا ان ہیروں میں سے ایک ہے، جو بکس میں تھے۔ یہ بکس سے کمرۂ واردات میں کس طرح گر گیا۔ یہ بھی ایک راز ہے۔ اس راز سے بھی پردہ اٹھانا پڑے گا۔''

''بھئی ہو سکتا ہے، قاتل نے بکس کھول کر اپنا اطمینان کیا ہو اور کھولتے وقت کچھ ہیرے گر گئے ہوں۔ ان میں سے ایک لڑھکتا ہوا صوفے کے پائے کی اوٹ

میں چلا گیا ہو۔ اور قاتل گھبراہٹ کی وجہ سے اسے نہ دیکھ سکتا ہو۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"شاید ایسا ہی ہوا ہو۔ اس کے باوجود ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ یہ ہیرا اصلی ہے یا نقلی، کیا خبر، یہ شہزادہ صاحب ہر سال نقلی ہیرے تقسیم کرتے ہوں۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہمیں اس سے کیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہمیں اس سے کچھ نہیں، لیکن اس چوری اور قتل کا سراغ تو لگانا پڑے گا نا۔" یہ کہہ کر فرزانہ دکان کی طرف بڑھ گئی۔ انہوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ کاؤنٹر سے انصار خان کے بارے میں معلوم کر کے وہ اندر کی طرف چلے اور آخر اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

انہوں نے دیکھا، کمرے میں دو آدمی موجود تھے۔ ان میں سے ایک میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھا تھا اور دوسرا اس کے سامنے، سامنے والا آدمی ادھیڑ عمر کا چست بدن والا آدمی تھا۔ جب کہ اس طرف والا آدمی موٹا اور کالے رنگ کا تھا۔

"جی فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" چست بدن والے نے کہا۔

"انصار خان آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہم یہ ہیرا پرکھوانا چاہتے ہیں۔" فرزانہ نے ہیرا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"میری فیس ایک ہیرا پرکھنے کی سو روپے ہے۔"

"یہ لیجئے۔" خان رحمان نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا۔

انصار خان نے سو روپے کا نوٹ لے کر دراز میں رکھا اور پھر ہیرے کا معائنہ کرنے لگا۔ آخر اس نے کہا:

"ہیرا سو فی صد اصلی ہے۔"

"کیا آپ کو پوری طرح یقین ہے۔" خان رحمان بولے۔

"میں دن رات یہی کام کرتا ہوں۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"شکریہ جناب۔" یہ کہہ کر فراز نے ہیرا اٹھا لیا اور باہر نکل آئے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد فرزانہ بولی۔

"تم دونوں نے اس کالے اور موٹے آدمی کو دیکھا۔"

"ہاں، کیوں۔ اس میں کیا خاص بات تھی، ہم نے اس سے بھی زیادہ کالے اور موٹے آدمی دیکھ رکھے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ محمود، تم بتاؤ۔" فرزانہ بھنا کر بولی۔

"اگر محمود سے بھی کسی قسم کے جواب کی امید قائم کر چکی ہو تو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"تم چپ رہو۔ ہاں محمود، تم بتاؤ۔"

"ہاں، میں نے اس کالے اور موٹے آدمی کو دیکھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت میری آنکھیں بند نہیں تھیں۔" محمود نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔ فاروق کی ہنسی نکل گئی۔

"لاحول ولاقوۃ۔ محمود، کہیں تم پر فاروق کا اثر تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں، تمہارا سوال ہی اوٹ پٹانگ تھا۔" محمود بولا۔

"مجھے وہ آدمی کچھ اچھا نہیں لگا۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جو شخص تمہیں اچھ

لگے۔ وہ برا ہی ہوگا۔'' محمود نے جواب دیا۔

''میں نے اپنا خیال پیش کیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ تم میری بات کو ضرور تسلیم کرلو۔'' فرزانہ جھنا اٹھی۔

''میرا خیال ہے اب تم لڑنا شروع کردو گے۔ اس لیے ہمیں فوراً گھر کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ جمشید اور بھابھی اس وقت تک گھر پہنچ چکے ہوں گے اور تمہاری غیر حاضری سے پریشان بھی۔'' خان رحمان بوکھلا کر بولے۔

''اوہ ہاں، یہ تو ہم بھول ہی گئے۔''

چاروں کار میں بیٹھے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی انہیں روانہ ہوئے تین منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے، پھر اس کے ہونٹ ہلے:

''ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔''

☆☆

''خیر تو ہے، اب کیا ہوا؟'' بیگم جمشید بولیں۔

''تم اس کار کو دیکھ رہی ہو، یہ خان رحمان کی کار ہے۔ ابھی ابھی انصار جیولرز کے سامنے رکی ہے۔ اب ذرا اس میں سے اترنے والوں کو دیکھو۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''تت، تو کیا ان کی کار چرا لی گئی ہے۔''

''نہیں، کار سے خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ اترے ہیں۔ چاروں میک اپ میں ہیں اور وہ بھی شہزادوں اور ریاست کے والیوں کے، میں حیران ہوں کہ یہ کیا کرتے پھر رہے ہیں اور زیادہ عجیب بات یہ کہ انہوں نے خان رحمان کو اپنے ساتھ کس طرح ملا لیا۔'' انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

''حیرت ہے، یہ ہمارے ساتھ آج ہو کیا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم آج گھر نہیں جا سکیں گے۔''

''اب یہ دیکھے بغیر تو واقعی نہیں جا سکتے کہ یہ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔'' وہ بولے اور کار ذرا آگے بڑھا کر انجن بند کر دیا۔

یہ کس قدر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ آپ کو بھی انصار جیولرز آنا پڑا اور ان لوگوں کو بھی۔ کیا یہ بھی ہیرے پرکھوانے آئے ہیں؟'' بیگم جمشید بولیں۔

''اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔''

جلد ہی وہ چاروں انہیں دکان سے نکل کر کار کی طرف بڑھتے نظر آئے۔

''بیگم، سر جھکا لو۔ یہ لوگ ہمیں دیکھنے نہ پائیں۔''

''جی بہتر۔'' انہوں نے کہا اور سر نیچے کر لیا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی یہی کیا۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے خان رحمان کی کار حرکت میں آئی۔ انسپکٹر جمشید کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے۔ جب انہوں نے کار اسٹارٹ نہ کی تو بیگم جمشید بے چین ہو کر بولیں۔

''اب آپ کس انتظار میں ہیں؟''

''میں یہ اندازہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔'' وہ مسکرائے۔ پھر چونک کر بولے:

''لو بیگم، ان کا تو واقعی تعاقب ہو رہا ہے۔ یہ تو کوئی گہرا چکر معلوم ہوتا ہے۔''

''کم گہرے چکر ہمارے نصیب میں کہاں؟'' بیگم جمشید نے سرد آہ بھری اور انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔ پھر انہوں نے مناسب فاصلے پر رہتے ہوئے تعاقب شروع کر دیا۔ جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ خان رحمان کی کار کا رخ ان کے گھر کی

طرف ہی ہے۔ اب ان کی حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہونے لگا۔ آخر اگلی کار ان کی گلی میں مڑ گئی۔ تعاقب کرنے والی کار کو انہوں نے سڑک کے کنارے رکتے دیکھا۔ انہوں نے اپنی کار کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے ہی روک لی۔ فوراً ہی انہوں نے دوسری کار سے تین آدمیوں کو اترے دیکھا تینوں آدمی انہیں کچھ جانے پہچانے سے لگے۔ وہ پریشان ہو گئے۔ آخر جب وہ تینوں گلی میں داخل ہو گئے تو انہوں نے بھی کار آگے بڑھائی اور دوسری کار سے ذرا پیچھے روک کر نیچے اتر آئے:

"آؤ بیگم، ذرا دیکھیں یہ کیا معاملہ ہے۔"

گلی میں داخل ہوتے ہی انہوں نے دیکھا، وہ تینوں ان کے دروازے پر کھڑے تھے اور ان میں سے ایک کا ہاتھ گھنٹی پر تھا۔

☆☆☆

ہیروں کی واپسی

"یہ ہمارے تعاقب کی کسی کو کیا ضرورت پڑ گئی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"شہزادہ علی باقر کو ضرورت پڑی ہوگی، یا پھر انسپکٹر صاحب کو، یہ لوگ ہم پر شک کر رہے ہیں، خاص طور پر اس لیے بھی کہ میری جیب سے ایک عدد ہیرا نکل آیا ہے۔ خیر کرنے دو تعاقب، ہمارا کیا جاتا ہے۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"ہو سکتا ہے، یہ لوگ وہ ہیرا حاصل کرنے کے چکر میں ہوں۔ ایک ہیرا بھی تو کچھ کم قیمتی نہیں ہوتا۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن اس وقت ہمارے پاس صرف ایک ہیرا تو نہیں ہے۔ انکل کی جیب میں بھی تو ہیرے ہیں اور وہ ہیرے سو فی صد اصلی ہوں گے۔"

"ہاں بالکل اصلی ہیں۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"فرزانہ والا ہیرا اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہزادہ علی باقر صاحب واقعی اپنے دوستوں میں اصلی ہیرے تقسیم کرتے ہیں۔" محمود نے سوچنے کے انداز میں کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انصار خان سے پرکھنے میں غلطی ہوئی ہو۔"

"ہر گز نہیں، اس سلسلے میں میں نے ابا جان سے کئی بار انصار خان کی تعریف سنی ہے۔" فرزانہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"اوہو، تو اس میں گرمی کھانے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق جلدی سے

بولا۔

"مجھے واقعی گرمی کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ شوق تمہی کو مبارک۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن میں تو صرف موسم سرما میں گرمی کھاتا ہوں۔" فاروق بولا اور فرزانہ تلملا کر رہ گئی۔ محمود اور خان رحمان مسکرا دیے۔

آخر وہ گلی میں داخل ہوئے۔ کار سے اتر کر گھر کے صحن میں آئے۔

"تعاقب کرنے والوں کے استقبال میں ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہیے۔ جلد ہی وہ آدھمکیں گے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ان کے استقبال کی تیاری بھی تو کر لینی چاہیے۔ کہیں وہ ہمیں چوٹ نہ دے جائیں۔" فرزانہ نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں کھلونے تھے۔ اس نے ایک ایک کھلونا انہیں دے دیا۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لیجیے، استقبال کرنے والے حاضر ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"گویا، تھا جن کا انتظار وہ شاہکار آگئے۔"

محمود نے بھی مسکرا کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر تین لمبے چوڑے جوان کھڑے تھے۔

"جی فرمائیے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اندر چل کر فرمائیں گے۔" ان میں سے ایک اکھڑ لہجے میں بولا۔

"خیر تو ہے جناب۔" محمود نے انہیں راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ ہیروں کے چور ہو۔ ہم تمہیں قانون کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" ایک بولا۔

"ہم اور چور، کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ابھی ثابت کیے دیتے ہیں۔ ہم اس گھر سے ہیروں کا وہ بکس برآمد کریں گے، جو ہوٹل البان سے چرایا گیا ہے۔"

"ارے، تو کیا آپ شہزادہ علی باقر کے آدمی ہیں۔"

"نہیں، ہم انسپکٹر شان کے اشارے پر یہاں آئے ہیں۔"

"انسپکٹر شان، یہ کون ذات شریف ہیں، جن کا نام اتنا شاندار ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہی انسپکٹر جو ہوٹل البان میں ہونے والی واردات کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا، تو آپ ان کے اشارے پر آئے ہیں۔ تب تو آپ بڑے شوق سے تلاشی لے لیں، کیونکہ آپ تو قانون کے محافظ ہیں۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"اپنے ہیرے نکال کر میز پر رکھ دیں۔" وہ بولا۔

"کیوں، انہوں نے کیا قصور کیا ہے۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔ فاروق فرزانہ اور خان رحمان کو ہنسی آگئی۔

"بکومت۔" دوسرے نے غرا کر کہا۔

"اے مسٹر، تمیز سے۔ کیا تم نہیں جانتے، کس کے گھر میں کھڑے ہو؟"

"ہیروں کے چوروں کے گھر میں۔"

"شاید تم نے دروازے پر لگی نام کی تختی نہیں پڑھی۔"

"نہیں، تم بتادو، یہ کس کا مکان ہے۔"

"ہاں ضرور۔ اس کے بعد اپنے ناشائستہ الفاظ کی معافی مانگنا ہوگی۔"

بصورت دیگر تم تینوں پچھتاؤ گے۔" خان رحمان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور
انسپکٹر جمشید کا نام منہ سے نکالتے ہی گئے تھے کہ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ
چونک اٹھے، انداز انسپکٹر جمشید کا تھا اور پھر ان کے چہرے کھل اٹھے۔ محمود دروازے کی
طرف لپکا۔ تینوں تعاقب کرنے والے الجھن میں مبتلا نظر آئے۔ لیکن وہ دروازے کی
طرف دیکھنے کے سوا کر بھی کیا کر سکتے تھے۔ محمود دروازہ کھول چکا تھا۔ انہوں نے انسپکٹر
جمشید اور بیگم جمشید کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔

"بیگم، ہم شاید کسی اور کے گھر میں داخل ہو گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
اندر کھڑے لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"محسوس تو یہی ہوتا ہے، لیکن ہے یہ ہمارا ہی گھر۔"

"لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ شہزادے کس طرح بن گئے۔ اور تو اور خان
رحمان بھائی کوئی والی ریاست نظر آ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" تینوں تعاقب کرنے والے ایک ساتھ بولے۔ ان کی
نظریں انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پکڑے بکس پر تھیں۔

"تم تینوں کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہو اور تم ہو کون؟"

"یہ تعاقب کرنے والے ہیں ابا جان۔" فاروق نے گویا تعارف کرایا۔

"یہ۔ یہ بکس۔" ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، یہ بکس ہی ہے۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"یہ آپ کو کہاں سے ملا؟"

"جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ تم لوگ کون ہو، تمہیں کچھ نہیں (۱)

جا سکتا۔" انہوں نے کہا۔

"یہ انسپکٹر شان کے آدمی ہیں ابا جان، ہوٹل البان میں قتل اور ہیروں کی
چوری کی ایک واردات ہو گئی ہے۔ انسپکٹر شان اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔ اتفاق
سے ہم بھی اس وقت ہوٹل البان میں تھے۔ اب یہ لوگ ہم پر چوری کا شبہ کر رہے
ہیں۔"

"اور شبہ کرنے کی وجہ اس لڑکی کی جیب میں ایک ہیرا ہے۔ شہزادہ علی باقر
کو یقین ہے کہ وہ ہیرا ان کے بکس کا ہی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"لیکن ہمارے سامنے تو شہزادہ صاحب نے یہ بات نہیں کہی تھی۔" محمود
نے اسے گھورا۔

"ہاں، تم لوگوں کے آنے کے بعد شہزادے نے یہ بات انسپکٹر صاحب کو
بتائی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جان بوجھ کر یہ بات وہ اب بتا رہے ہیں، تاکہ تم
لوگوں کا تعاقب کر کے ہیروں کا بکس حاصل کیا جا سکے اور اب ہم یہی بکس آپ کے
ہاتھ میں دیکھ رہے ہیں۔"

"پہلے میں پوری بات سنوں گا۔ اس کے بعد بکس کے بارے میں بتاؤں
گا۔ سب لوگ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ آپ تینوں بھی اور اطمینان رکھیے۔ اگر
ہیروں کا یہ بکس شہزادہ علی باقر کا ہی ہے تو یہ انہیں واپس دے دیا جائے گا۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ بیگم نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ باقی بھی بیٹھ گئے۔ محمود
نے انہیں ساری بات تفصیل سے سنائی۔ اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید فرزانہ
سے بولے:

"تمہیں وہ ہیرا کہاں سے ملا؟"

اب فرزانہ کو بھی اصل بات بتانا پڑی۔ محمود ہیرے والی بات گول کر گیا

تھا۔انسپکٹر جمشید چند لمحے تک سوچ میں گم رہے۔پھر بولے۔

"یہ بکس مجھے سڑک کے کنارے ہوٹل البان کے قریب ملا تھا۔اس میں ہیرے موجود ہیں۔میرے خیال میں ہوا یہ ہے کہ کوئی شخص پہلے سے شہزادہ علی باقر کے ہیروں کو اڑا لینے کا پروگرام بنا چکا تھا۔جوں ہی شہزادے کے خدمت گار نے الماری میں سے ہیروں کا بکس نکالا، وہ کمرے میں داخل ہو گیا اور اس کے سر پر کوئی چیز دے ماری تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے، لیکن وار اوچھا پڑا اور خدمت گار نے پستول نکال لیا۔اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا، اس نے خنجر اس کے سینے میں اتار دیا اور بکس لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھاگنے سے پہلے بکس کھول کر بھی دیکھا تھا اور اسی لمحے اس میں سے ایک ہیرا گر گیا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن ابا جان، پستول سے بھی ایک فائر کیا گیا تھا۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"کیا پستول پر سائلنسر فٹ تھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔جی نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"تب پھر کسی کے کانوں میں فائر کی آواز آنا چاہیے تھی۔کمرے کا دروازہ تو کھلا ہوا تھا۔گولی چور کو نہیں لگی تو کمرے میں کہیں ملنی چاہیے۔کیا گولی تلاش کی گئی؟" یہ کہتے وقت وہ انسپکٹر شان کے آدمیوں کی طرف مڑے۔

"نہیں برآمدے میں خون کے دھبے ملے ہیں۔جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ چور کے گولی لگی ہے۔"

آس پاس کے کمرے والوں نے گولی کی آواز نہیں سنی؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں، سب لوگ تو نیچے تقریب میں گئے ہوئے تھے۔" اس نے کہا، پھر منہ بنا کر بولا:

"لیکن ہم آپ کے سوالات کے جوابات کیوں دیں۔آپ کون ہیں ہم سے سوالات کرنے والے۔سوالات تو ہمیں آپ سے کرنے ہیں۔"

"اس وقت تم لوگ انسپکٹر جمشید سے مخاطب ہو۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"کیا نہیں!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔چند سیکنڈ تک وہ ٹکٹکی باندھے ان کی طرف دیکھتے رہے، آخر ان میں سے ایک بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہم معافی چاہتے ہیں، آپ لوگوں کو چور سمجھ بیٹھے۔"

"اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں، ہمیں تو اکثر لوگ چور ہی نہیں۔نہ جانے کیا کیا کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں۔" فاروق نے مسکی صورت بنا کر کہا۔

"بہتر ہوگا کہ انسپکٹر شان اور شہزادہ علی باقر کو یہیں بلا لیا جائے، وہ اپنے ہیرے سنبھال لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، یہ مناسب رہے گا۔"

تھوڑی دیر بعد شہزادہ علی باقر اور انسپکٹر شان وہاں پہنچ گئے۔انہیں بھی سارے حالات سنائے گئے۔ہیروں کا بکس شہزادے کی طرف بڑھا دیا گیا۔فرزانہ نے جیب والا ہیرا ابھی نکال کر اس میں شامل کر دیا اور بولی۔

"میں نے یہ ہیرا کسی لالچ کے تحت نہیں، تفتیش کے سلسلے میں اٹھایا تھا۔"

شہزادے نے ہیروں کو بغور دیکھا اور بکس بند کرتے ہوئے بولا:

"میں آپ لوگوں کا حد درجے شکر گزار ہوں۔کل تقریب پھر سے منائی

جائے گی۔ میں آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں۔ اس موقعے پر میں آپ کو بھی ایک ہیرا پیش کردوں گا۔"

ہمیں ہیروں کا کوئی لالچ نہیں۔ ہاں ہم تقریب میں ضرور شرکت کریں گے۔ کیس ابھی ختم نہیں ہوا۔ ہمیں خدمت گار کے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔ وہ بے چارہ تو بالکل بے گناہ مارا گیا۔"

"جی ہاں، آصف سالار کی موت کا ہمیں بے حد دکھ ہے۔ وہ بہت وفادار تھا۔" شہزادے نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ نے اس کا کیا نام بتایا، آصف سالار۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، کیوں کیا بات ہے۔" شہزادے نے ان کی طرف دیکھا۔

"شاہانہ سا نام ہے۔ یہ نام تو آپ کا ہونا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں، میں نے بھی اس سے دو تین بار نام تبدیل کرنے کے لیے کہا تھا، لیکن وہ نہیں مانا۔ ہمیشہ یہی جواب دیا کہ یہ نام اس کی ماں نے رکھا تھا اور وہ مرتے دم تک خود کو کسی اور نام سے بلایا جانا پسند نہیں کرتا۔"

"واہ، کتنا اچھا آدمی تھا وہ۔ جسے ماں کے مرنے کے بعد بھی اس کے رکھے ہوئے نام کا کتنا خیال تھا۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"تو آپ کل آرہے ہیں نا۔" شہزادے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ضرور، آنا ہی پڑے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اور وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں گم بیٹھے رہے۔ آخر جب انہوں نے سر اوپر اٹھایا تو فرزانہ سے رہا نہ گیا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں ابا جان۔ یہ معاملہ واقعی سیدھا سادا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ حملہ آور بکس سڑک کے کنارے کیوں پھینک گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید اسے خدمت گار کے قتل نے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہوگا۔ اس کا پروگرام خدمت گار کو ہلاک کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے سوچا ہوگا، کہیں ہیروں کے ذریعے پولیس اس تک نہ پہنچ جائے اور وہ ایک قاتل کی حیثیت سے گرفتار نہ کرلیا جائے۔ چنانچہ اس نے بوکھلا کر بکس گرا دیا۔ اب اس کے پاس سے ہیرے برآمد نہیں کیے جاسکتے، لہٰذا اسے قاتل ثابت کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ابھی خنجر پر انگلیوں کے نشانات کا معاملہ بھی ہے۔ اگر اس پر نشانات مل گئے تو اس کی گرفتاری اتنی مشکل نہیں رہ جائے گی۔ دوسرے اس کے خون آلود جوتے ہیں۔ خنجر کو تو اس وقت تک چیک کیا جاچکا ہوگا۔ ٹھہرو، میں معلوم کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے کسی کے نمبر گھمائے۔ چند منٹ تک فون پر بات کرتے رہے۔ پھر ریسیور رکھ کر بولے:

"ابھی چند منٹ تک رپورٹ موصول ہو جائے گی۔ ہاں تم لوگ انصار خان کے پاس کیوں گئے تھے؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"میں وہاں اس بکس کے ہیرے پرکھوانے گیا تھا۔ کیا تم وہ ہیرا دکھانے گئی تھیں۔"

"ج، جی ہاں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بکس کے ہیرے انصار خان نے بالکل اصلی بتائے ہیں۔"

"اور مجھے جو ہیرا ملا تھا۔ وہ بھی اس نے اصلی بتایا ہے۔"

"گویا ہیرے واقعی اصلی ہیں۔ حیرت ہے، یہ شخص اتنے ہیرے ہر سال اپنے دوستوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے دوست تو بیٹھے بٹھائے مال دار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔"

"اور اس بار تو ہم بھی ان کے دوستوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ کل ہمیں بھی ایک ایک ہیرا ملے گا۔"

"نہیں، ہم ہیرے نہیں....." انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

ان کے چہرے پر حیرت کی ایک جھلک دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہم وہ ہیرے لیں گے۔ چلو آؤ، پہلے آصف سالار کی لاش کا جائزہ لے آئیں۔" انہوں نے اچانک اٹھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

جونکی

"جی، آصف سالار کی لاش کا؟ لیکن اس کی لاش تو ہم دیکھ چکے ہیں۔" محمود نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہارے دیکھنے میں اور میرے دیکھنے میں بہت فرق ہے۔ آؤ چلیں، لیکن نہیں۔ پہلے میں اکرام کو ایک فون کروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون پر نمبر گھمائے۔ چوکیدار کے ذریعے اکرام کو فون پر بلایا اور بولے:

"میں مردہ خانے پہنچ رہا ہوں۔ تم ضروری عملے کو لے کر وہاں پہنچ جاؤ۔"

"جی بہتر۔" اکرام بولا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے ابا جان، انسپکٹر شان بھی تو کارروائی مکمل کر چکے ہیں۔"

"میں ایک اور نظریے سے کارروائی مکمل کرانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے پراسرار لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"خان رحمان، تم بھی چلنا پسند کرو گے یا آرام کرو گے۔"

"نہیں، میں ساتھ چلوں گا۔ میں بھی اس معاملے میں بے تحاشا دلچسپی محسوس کر رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"لیکن میں پہلے ہی اس کیس میں کافی حصہ لے چکی ہوں۔" بیگم جمشید جلدی سے بولیں۔ اور وہ مسکرا دیے۔

"آپ کو تو خیر لے جا بھی نہیں رہے۔"

وہ مردہ خانے پہنچے تو اکرام عملے سمیت وہاں پہلے سے موجود تھا۔ وہ آصف سالار کی نعش کے پاس پہنچے۔ اکرام نے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ انہوں نے بغور جائزہ لیا اور پھر سیدھے ہوتے ہوئے بولے:

"ٹھیک ہے اکرام، اس کی تصاویر لے لو۔ انگلیوں کے نشانات بھی لے لو۔ کوئی پہلو رہ نہ جائے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کی انگلیوں کے نشانات ہمارے کس کام آئیں گے۔ ہمیں قاتل کی انگلیوں کے نشانات کی ضرورت ہے۔" فرزانہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن بعض اوقات ایسی چیزیں بھی کام کی ثابت ہوتی ہیں، جو بظاہر بے کار نظر آئیں۔ میں ابھی تک اس کیس کے بارے میں کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکا۔"

"اور آپ یکا یک ہیرے لینے کے لیے کیوں تیار ہو گئے ہیں۔ جب کہ پہلے آپ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" محمود بولا۔

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال سوجھا ہے۔ اس خیال کی تصدیق ہیروں کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔"

"اور وہ خیال کیا ہے؟" فاروق بے تابی کے عالم میں بولا۔

"کل تک کے لیے صبر کرو، ہیرے ملنے کے بعد بتاؤں گا۔" وہ پر اسرار انداز میں مسکرائے۔ پھر چونک کر بولے۔

"خنجر پر انگلیوں کے نشانات کی رپورٹ تیار ہو چکی ہوگی۔ آؤ پہلے فون کر کے

رپورٹ لے لیں۔ یہاں کا کام اکرام کرے گا۔"

وہ مردہ خانے سے باہر نکلے۔ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے کمرے سے انہوں نے انگلیوں کے نشانات کے شعبے کو فون کیا اور دوسری طرف کی رپورٹ سنتے رہے، پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"خنجر پر انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ اب نشانات ریکارڈ سیکشن کو بھیج دیے گئے ہیں۔ تمام جرائم پیشہ لوگوں کی انگلیوں کے نشانات سے انہیں ملا کر دیکھا جائے گا اور اس کے بعد پھر ہمیں رپورٹ بھیجی جائے گی۔ آؤ اب چلیں۔"

وہ ہسپتال سے باہر نکلے۔ اب کل تک کے لیے انہیں کوئی کام نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے گھر کی ٹھانی خان رحمان نے اپنے گھر کی راہ لی۔

گھر پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ریکارڈ سیکشن کا انچارج بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

"ہیلو سر، خنجر پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات سارے ریکارڈ سے ملائے گئے اور آخر ہم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ وہ کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"بہت خوب، وہ کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"تراب خان کے۔ یہ شخص ایک مفرور قاتل ہے۔ پولیس کوشش کے باوجود آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی۔ آج سے تقریباً پانچ سال پہلے اس نے ایک ڈاکا ڈالا تھا۔ اس ڈاکے میں تراب خان کے ہاتھوں ایک آدمی ہلاک ہو گیا تھا۔ تراب خان اس واردات سے پہلے چھوٹی موٹی چوریوں کے سلسلے میں کئی بار گرفتار ہو چکا ہے۔ لیکن اب پانچ سال سے اس کا کوئی پتا نہیں۔ پانچ سال بعد اس کی انگلیوں کے نشانات اس خنجر پر پائے گئے ہیں۔"

"تراب خان کا حلیہ کیا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"اس کا قد درمیانہ جسم سڈول ، رنگ سیاہی مائل ۔ مضبوط ہاتھ پیر کا مالک۔" انچارج یہاں تک بتا کر خاموش ہو گیا۔

"اسکی عمر اس وقت کتنی ہو گی؟"

"ریکارڈ کے مطابق پانچ سال پہلے وہ چالیس سال کا تھا۔ اب پینتالیس سال کا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا پھر کہیں جانے کا ارادہ ہے؟" بیگم جمشید منہ بنا کر بولیں۔

"ہاں بیگم۔" یہ کہہ کر انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو تراب خان کے بارے میں بتایا اور بولے:

"میں ذرا ایک سابقہ غنڈے سے ملنے جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ تراب خان کے بارے میں ضرور کچھ بتا سکے گا۔ تم آرام کرو۔"

"ایسے میں ہم کیا آرام کریں گے۔ بہتر ہو گا کہ ہمیں بھی ساتھ لے چلیں۔"

"اچھا تو پھر آؤ۔"

جلد ہی وہ کار میں بیٹھے ایک سمت میں جا رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے سفر کے بعد ان کی کار ایک گلی میں داخل ہوئی۔ اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ وہ نیچے اترے ایک پرانے سے مکان کے دروازے پر رک کر انسپکٹر جمشید نے دستک دی۔

"کیا یہ سابقہ بدمعاش آپ کو جانتا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ کا مطلب ہے، یہ شخص اب بدمعاشی چھوڑ چکا ہے۔"

"اس کے بارے میں یہی مشہور ہے کہ اس نے جرائم سے توبہ کر لی ہے۔"

"یہ بات بھی مشہور ہے کہ یہ شخص ایک بار بھی گرفتار نہیں ہوا۔ پولیس اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکی۔"

"لیکن یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ اس نے توبہ کر لی ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اس سے تعلق رکھنے والے جرائم پیشہ لوگوں کے ذریعے یہ بات مشہور ہوئی۔" انہوں نے بتایا۔

"لیکن آپ کو یہ کس طرح جانتا ہے۔"

"ایک کیس کے سلسلے میں تفتیش کرتا ہوا میں اس کے پاس بھی پہنچا تھا، لیکن اس کیس سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا تھا۔ اب چونکہ یہ توبہ کر چکا ہے، لہذا ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ اسے تراب خان کے بارے میں معلوم ہو گا؟"

"ہاں، مجھے یقین ہے۔ میری یادداشت کا کہنا یہ ہے کہ تراب خان اور جوگی ایک ساتھ بھی کام کرتے رہے ہیں۔"

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک لمبے چوڑے آدمی کا چہرہ دکھائی دیا۔ پھر اس کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔

"آہا، انسپکٹر جمشید صاحب۔ آیئے آیئے۔ تشریف لایئے۔"

"شکریہ جوگی۔" انہوں نے کہا اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مکان باہر سے پرانا ضرور تھا، لیکن اندر سے بالکل نیا نظر آ رہا تھا۔ ہر چیز جدید تھی۔ جوگی انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"آج کل کیا کر رہے ہو جوگی۔ سنا ہے، جرائم پیشہ زندگی چھوڑ دی ہے۔"

"تو میں جرائم پیشہ زندگی میں داخل ہی کب ہوا تھا؟" اس نے چونک کر کہا۔

"دیکھو جوگی، میں تمہارے خلاف تمہاری سابقہ زندگی کے سلسلے میں کوئی ثبوت

حاصل کرنے نہیں آیا، میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم توبہ کر چکے ہو، اللہ بھی توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے، بشرطیکہ بندہ پھر گناہ نہ کرے۔''

''لیکن یہ حقیقت ہے، میرا تعلق کبھی بھی جرائم سے نہیں رہا۔ میں نے ہمیشہ پاک صاف زندگی گزاری ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''اچھا خیر، یونہی سہی۔ اس وقت میں تمہارے ایک دوست کے بارے میں معلوم کرنے آیا ہوں۔ تمہارے اس دوست کا نام تراب خان ہے۔''

''تراب خان۔'' جونگی اس طرح بڑبڑایا، جیسے تراب خان کا نام پہلی مرتبہ سنا ہو۔

''ہاں تراب خان، تمہارا یہ دوست مجھے اب کہاں مل سکے گا، کیا تم بتا سکتے ہو؟''

''مجھے افسوس ہے انسپکٹر صاحب، اس نام کا میرا کبھی کوئی دوست نہیں رہا۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم غلط کہتے ہو جونگی، یاد کرو، ایک مرتبہ میں ایک کیس کے سلسلے میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تمہارے ساتھ ایک آدمی تھا اور تم نے اسے تراب خان کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے جونگی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یادداشت حد درجے مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا تم انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں تو تراب خان ان دنوں کہاں ہوتا ہے۔'' وہ اس کے چہرے پر نظر جمائے کہتے چلے گئے۔

''اب میں سمجھا، آپ کس تراب خان کی بات کر رہے ہیں۔'' جونگی نے مسکرا کر کہا، پھر بولا:

''وہ تراب خان میرا دوست نہیں، ملازم تھا۔''

''او ہو اچھا۔ چلو یونہی سہی۔ تو تمہارا وہ ملازم کہاں ملے گا؟''

''پتا نہیں، عرصہ ہوا، وہ میری ملازمت چھوڑ کر چلا گیا تھا۔'' اس نے کندھے

اچکائے۔

''ہوں، میں سمجھ گیا جونگی۔ تم مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتے، ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تراب خان کہاں مل سکتا ہے۔ خیر تمہاری مرضی جونگی۔ ہاں ایک آخری سوال، تم آج کل کیا کاروبار کرتے ہو؟''

''پراپرٹی ڈیلر ہوں۔ مارکیٹ میں میرا دفتر ہے۔ کسی پلاٹ ولاٹ کا مسئلہ ہو تو میری خدمات آپ کے لیے مفت۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا جونگی، مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں تمہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''مطلب یہ کہ کہیں تمہیں اپنے تمام جرائم کا حساب نہ دینا پڑ جائے۔ میں گڑے مردے اکھاڑنے میں بہت ماہر ہوں اور اس دنیا کی عدالتیں توبہ کو نہیں مانتیں۔ توبہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قبول کرتا ہے۔''

''انسپکٹر صاحب، کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔''

''دھمکی نہیں، مشورہ دے رہا ہوں کہ مجھے تراب خان کا پتا بتا دو، ورنہ میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا اور تمہارے جرائم کے ثبوت حاصل کر لوں گا۔''

''آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے انسپکٹر صاحب، دراصل میرا کسی جرم سے کوئی واسطہ رہا ہی نہیں۔ میں تو ہمیشہ سے ایک ایماندار آدمی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ اس وقت کے بعد سے ہی میں تمہارے خلاف ثبوت حاصل کرنے کی فکر میں لگ جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ جونگی خاموش بیٹھا رہ گیا۔ وہ انہیں رخصت کرنے کے لیے اٹھا بھی نہیں۔

''ابا جان، یہ کیا ہوا؟'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

”جوگی ضرور کسی خاص وجہ سے تراب خان کے بارے میں بتانے سے پرہیز کر رہا ہے اور وہ خاص وجہ ہمیں معلوم کرنا ہوگی۔ اس کے علاوہ میں اب اسکے خلاف ثبوت بھی حاصل کروں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ شخص توبہ کے اعلان کی آڑ میں ابھی تک جرائم کر رہا ہے۔ تم تینوں گلی میں ہی ٹھہرو۔ اس کے دروازے پر نظر رکھو۔ میں سڑک پر سے اکرام کو فون کر کے آتا ہوں۔ اب اس کی ہر وقت نگرانی کرنا پڑے گی اور ہاں، بہتر ہوگا کہ تم میں سے ایک گلی کے دوسرے طرف اس کے مکان کے عقب میں کھڑا ہو جائے۔ شاید اس طرف سے بھی کوئی دروازہ کھلتا ہو، اگر جوگی گھر سے نکل کر کہیں جائے تو بے دھڑک اس کا تعاقب شروع کر دینا۔ میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، اگر اس کے گھر سے کوئی اور شخص باہر نکلے تو اس کا تعاقب تم میں سے صرف ایک کرے گا۔“ یہ ہدایات دے کر وہ سڑک کی طرف چلے گئے۔

”لو فاروق، اور بنو تم جوابی شہزادے۔“ محمود نے جل کر کہا۔

”تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے ہم وہاں جوابی شہزادے بن کر نہ جاتے تو یہ واردات ہی نہ ہوتی۔ ارے بھائی، واردات کا پروگرام تو پہلے ہی بنایا جا چکا تھا۔“

”اب ابا جان اصل کیس کو تو بھول جائیں گے، جوگی کے پیچھے پڑ جائیں گے۔“ محمود بولا۔

”اور جوگی کے ذریعے ہی وہ شہزادہ علی باقر کے خدمت گار کے قاتل کو گرفتار کر لیں گے تو اس میں برا کیا ہے۔“ فرزانہ نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

”تم میں کسی شاعر کی روح تو نہیں گھسنے والی۔“ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

”تم دونوں ابا جان کی ہدایت بھول گئے۔ ہم میں سے ایک کو مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلے جانا چاہیئے۔“

”تو چلی جاؤ نا تم ہی، ہمیں کیوں یاد دلا رہی ہو۔“ فاروق بولا۔

”میرا جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔ میں تم میں سے ایک کے ساتھ یہاں ٹھہروں گی۔“

”بھلا مناسب کس طرح نہیں ہوگا۔ خیر میں چلا جاتا ہوں۔“ فاروق نے پیر پٹخ کر کہا اور گلی کے موڑ کی طرف چلا گیا۔ دونوں مسکرا کر رہ گئے۔

اسی وقت سڑک کی طرف سے انسپکٹر جمشید آتے دکھائی دیے۔ نزدیک آ کر انہوں نے کہا۔

”اکرام کو فون کر دیا، وہ اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ ابھی پہنچ جائے گا، اس وقت تک ہمیں یہیں ٹھہرنا ہے۔“

”جی بہتر۔“ فرزانہ بولی۔

”محمود، فاروق کے پاس چلے جاؤ۔“

”بہت اچھا۔“ محمود نے کہا اور وہ بھی گلی کے موڑ کی طرف چلا گیا۔ ابھی اسے گئے دو منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ واپس آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر جوش کے ہلکے سے آثار تھے۔ نزدیک پہنچ کر اس نے کہا:

”فاروق نے مکان کے پچھلے دروازے میں سے ایک آدمی کو داخل ہوتے دیکھا ہے، وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا، کیوں کہ وہ عین اس وقت دروازے کے نزدیک پہنچا تھا، جب وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اس کی صرف پشت دیکھ سکا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ کوئی بھاری بھرکم آدمی تھا۔“

”ہوں، تب تو ہم اس کے باہر نکلنے تک یہیں ٹھہریں گے۔ تم دوبارہ فاروق کے پاس پہنچ جاؤ۔“ انہوں نے جلدی سے کہا اور محمود واپس مڑ گیا۔

پندرہ منٹ بعد اکرام اپنے ماتحتوں۔ کے ساتھ پہنچ گیا۔ اسے ساری صورت حال سمجھا کر وہ گھر واپس روانہ ہوئے۔ ایک گھنٹے بعد اکرام نے فون کیا۔

"ہیلو سر، جوگی کے گھر سے اب تک کوئی بھاری بھرکم آدمی نہیں نکلا۔"

"ہوں، نگرانی بدستور جاری رکھو اور جوں ہی وہ باہر نکلے، اس کا تعاقب شروع کرا دو۔ ساتھ ہی مجھے اطلاع دو۔ جوگی کے نکلنے پر بھی یہی کرنا ہوگا اور اگر دن نکلنے پر بھی وہ بھاری بھرکم آدمی گھر سے نہ نکلے تو گھر کی تلاشی لی جائے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ کون ہے کہیں وہ تراب خان ہی تو نہیں ہے۔"

"جی بہتر، آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا جائے گا۔" اکرام نے کہا۔

صبح ناشتے کی میز پر اکرام کا فون پھر موصول ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"صبح تک کوئی باہر نہیں نکلا۔ اب ہم مکان کی تلاشی لینے والے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ضرور تلاشی لو۔ کیا تم نے وارنٹ حاصل کر لیے ہیں۔"

"جی ہاں، یہ کام میں رات ہی کر چکا ہوں۔"

"بہت خوب، تو پھر مکان کی تلاشی شروع کر دو۔ میں بھی پہنچ رہا ہوں۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ کو سکول جانا تھا۔ اس لیے وہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے؛ چنانچہ وہ تنہا ہی جوگی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ گلی میں داخل ہوئے تو اکرام اور اس کے ماتحت گلی میں پریشان صورتیں لیے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"خیر تو ہے، کیا ہوا؟"

"اندر کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہم نے پورے مکان کی تلاشی لے ڈالی، لیکن اندر نہ جوگی ملا، نہ وہ بھاری بھرکم آدمی۔ خدا جانے انہیں زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا۔"

"تب پھر وہ رات میں کسی وقت نکل گئے۔ نگرانی کرنے والوں سے چوک

ہوئی ہوگی۔"

"جی نہیں، پچھلے دروازے پر میں خود موجود رہا ہوں۔ اس طرف میرے تین بہت ہی فرض شناس ماتحت موجود تھے۔ وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے دروازے پر سے ایک لمحے کے لیے بھی نظریں نہیں ہٹائیں۔"

"ہوں، تب پھر اس مکان کے نیچے کوئی تہہ خانہ ہوگا۔ آؤ، میں دیکھتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید نے پندرہ منٹ کی محنت کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ جوگی اور بھاری بھرکم آدمی چھت کے ذریعے فرار ہوئے ہیں، کیونکہ مکانوں کی چھتیں دور تک ملی ہوئی ہیں اور اس پہلو کی طرف ان میں سے کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔

☆☆☆

کام شروع

ہوٹل البان میں آج نئے سرے سے تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس وقت یہ لوگ پہنچے، تقریباً سبھی مہمان آچکے تھے۔ خان رحمان بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔ شہزادہ علی باقر نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور سٹیج کے بالکل قریب انہیں کرسیوں پر بٹھایا۔ آخر تقریب شروع ہوئی۔ شہزادے نے سٹیج پر کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا:

"یہ تقریب کل طے تھی، لیکن کل کسی ستم ظریف نے میرے خدمت گار کو ہلاک کر کے ہیروں کا بکس چوری کر لیا۔ اس طرح تقریب درمیان میں رہ گئی۔ اتفاق سے ہیروں کا بکس محترم انسپکٹر جمشید کو مل گیا۔ قاتل ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا، لیکن امید ہے کہ بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ چونکہ ہیرے مل چکے ہیں، اس لیے آج میں یہ اپنے دوستوں میں تقسیم کروں گا، لیکن اس سے پہلے کھانے پینے کا دور چلے گا۔"

تالیوں کی گونج میں شہزادہ علی باقر سٹیج سے نیچے اتر آیا اور کھانے پینے کا دور تقریباً آدھ گھنٹے تک چلا اور پھر شہزادے نے ہیروں کا بکس کھول کر اپنے سامنے رکھا اور بولا:

"سب سے پہلے میں اپنے محسنوں کو ہیرے پیش کروں گا۔ آپ سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔ میں خود تمام دوستوں تک آؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے بکس میں سے چند ہیرے اٹھائے اور انسپکٹر جمشید کی طرف آیا:

"یہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" اس نے جھک کر ایک ہیرا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت تو نہیں؛ تاہم میں آپ کی خوشی کے لیے لے لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہیرا لے لیا۔

"اور ایک ایک ہیرا آپ کے بچوں اور دوست کے لیے۔" یہ کہہ کر اس نے انہیں بھی ہیرے دیے۔ اس کے بعد وہ اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان میں ہیرے تقسیم کرنے لگا۔ وہ اس تقریب میں پوری دل چسپی لے رہے تھے۔ شہزادے کے ایک ایک دوست کو دیکھ رہے تھے۔ جو لوگ شہزادے کے دوستوں کی فہرست میں نہیں تھے۔ ان کی آنکھوں میں حسرت کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ آخر دیکھتے ہی دیکھتے ہیروں کا ڈبا خالی ہو گیا۔ تقریب ختم ہو گئی اور لوگ رخصت ہونے لگے۔ وہ بھی اٹھے اور شہزادے سے ہاتھ ملا کر باہر نکلے۔

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟" محمود بولا۔

"ایک جوہری کے پاس جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جوہری کے پاس، لیکن کس لیے؟" فاروق بولے۔

"ان پانچوں ہیروں کو پرکھوائیں گے۔"

"لیکن ان ہیروں کو تو آپ انصار خان سے پہلے ہی پرکھوا چکے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے باوجود میں ان ہیروں کو چیک کرانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

صرافہ بازار کی ایک اور بڑی دکان کے سامنے انہوں نے کار روک دی۔ یہ دیکھ کر فرزانہ چونکی۔

"تو کیا اس مرتبہ آپ انصار خان کو ہیرے نہیں دکھائیں گے؟"

"نہیں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے ابا جان؟" فرزانہ نے الجھ کر کہا۔

"خان رحمان، تم بتاؤ، میرے ذہن میں کیا ہے؟" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا، میں بتاؤں، بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ میرا کوئی دماغ تو نہیں چل گیا۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"اچھے دوست ہو، جو اتنا بھی نہیں بتا سکتے کہ میرے ذہن میں کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اور انکل، یہ آپ نے کیا کہا، میرا کوئی دماغ تو نہیں چل گیا! گویا جن لوگوں کا دماغ چل گیا ہے، صرف وہی یہ بات بتا سکتے ہیں کہ ان کے ذہن میں کیا بات ہے، بھلا یہ کیا بات ہوئی۔"

"میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا بات ہوئی۔" خان رحمان بولے۔

"لیجیے ابا جان، اب انکل بھی ہمارے کان کاٹنے لگے۔"

"بھئی اتنا سفید الزام تو نہ لگاؤ۔" خان رحمان نے فوراً کہا اور وہ سفید الزام پر مسکراتے ہوئے دکان میں داخل ہوئے۔ دکان کا مالک انسپکٹر جمشید کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ ان سے نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور پھر ان کے بیٹھنے کے بعد بولا:

"میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جناب، فرمایئے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ذرا ان ہیروں کو دیکھیے۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" انہوں نے وہ پانچوں ہیرے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے، جو ابھی تھوڑی دیر پہلے شہزادے نے انہیں دیے تھے۔

جوہری ان ہیروں پر جھک گیا۔ چند سیکنڈ تک انہیں بغور دیکھتا رہا، پھر بولا:

"یہ پانچوں ہیرے تو بالکل نقلی ہیں جناب۔"

"نقلی ہیں؟" ان کے لہجے میں ہلکی سی حیرت تھی۔ انصار خان نے تو انہیں اصلی بتایا تھا۔"

"اوہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" جوہری کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ کہ انصار خاں نے انہیں اصلی بتایا ہو، جب کہ یہ سو فیصد نقلی ہیں۔"

"خیر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ معاملہ ہے، آپ کی فیس؟" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہروں پر بھی حیرت صاف نظر آ رہی تھی۔

"جی اتنے سے کام کی بھلا کیا فیس ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ کا بھی یہی خیال تھا اور اسی لیے آپ نے کسی اور جوہری سے پرکھوانے کا فیصلہ کیا تھا؟" محمود نے باہر نکلنے پر بے چین ہو کر کہا۔

"خیال آیا ضرور تھا، لیکن اس کے درست ہونے کی مجھے امید نہیں تھی۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ نمبر ایک تو یہ کہ یہ ہیرے وہ نہ ہوں جو انصار خان نے دیکھے تھے، ہیرے کس طرح بدل گئے ہوں۔ دوسری بات یہ کہ انصار خان جھوٹ بول رہا ہے۔ اب ہم ایک تیسرے جوہری کو ہیرے دکھائیں گے۔ تاکہ دوسرے جوہری کی بات کی تصدیق ہو سکے اور اس کے بعد انصار خان کے پاس چلیں گے۔"

تیسرے جوہری نے بھی پانچوں ہیرے بالکل نقلی بتائے۔ آخر وہ ایک بار پھر انصار خان کی دکان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا، وہی موٹا اور کالا آدمی اس وقت بھی انصار خان کے کمرے میں تھا اور دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ قدموں کی آواز نے ان کی باتوں کا سلسلہ روک دیا۔ ان کی آنکھیں ان پر جم سی گئیں، پھر انصار خان کے منہ سے نکلا:

"آپ لوگ تو شاید کل بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں، ہمیں آج پھر پانچ ہیرے پرکھوانے ہیں۔"

"ضرور ضرور، لائیے۔" انصار خان نے کہا۔ ہیرے لیے انہیں بغور دیکھا اور پھر کہا:

"پانچوں ہیرے بالکل نقلی ہیں۔"

"لیکن کل تو آپ نے انہیں بالکل اصلی بتایا تھا۔" انسپکٹر جمشید تیز آواز میں بولے۔

"جی کیا مطلب؟"

"یہ ہیرے بھی اس بکس میں تھے، جس کے ہیرے میں نے آپ سے چیک کرائے تھے اور جس کی آپ نے بھاری فیس بھی وصول کی تھی۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ ہیرے نقلی ہیں۔"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی ہیرے ہیں اور بدل نہیں دیے گئے۔" انصار خان کے لہجے میں بھی تیزی آ گئی۔

"اوہ ہاں۔ بات بھی ہو سکتی ہے۔ خیر ہم دیکھتے ہیں کہ ہیرے کیسے بدل گئے۔"

اور وہ باہر نکل آئے۔ مارے حیرت کے ان کا بُرا حال تھا۔

"یہ معاملہ تو ہر لمحے الجھتا ہی جا رہا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"آج تک ہمارا واسطہ کسی ایسے معاملے سے پڑا ہی نہیں جو ہر لمحے الجھتا نہ جائے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو کیا شہزادہ علی باقر تقسیم سے پہلے بکس میں نقلی ہیرے رکھ دیتا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہر سال ہیرے تقسیم کرتا ہے۔ اگر ایک سال ہیرے

نقلی ثابت ہو جائیں گے تو دوسرے سال کون اس کی تقریب میں شریک ہوگا۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"فرزانہ کا خیال ٹھیک ہے۔ شہزادہ علی باقر ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تب پھر ہیرے کیسے بدل گئے۔ اگر ان کو بدلنا ہی تھا تو بدلے جانے کا وقت تو وہ تھا، جب بکس چرایا گیا تھا اور جس کے لیے ایک آدمی بھی موت کے گھاٹ اتر گیا، لیکن چرائے جانے کے بعد ہیرے بالکل اصلی بتائے گئے تھے۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ یہ معاملہ تو واقعی بہت الجھ گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر یہ کیسے سلجھے گا؟" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں نے اکرام کو کچھ ہدایات دی تھیں۔ وہ اس وقت ان پر عمل پیرا ہوگا۔ بہت جلد اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملنے والی ہو گی۔ لہذا ہمیں گھر چلنا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

اور وہ کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہر ایک کا ذہن چکرا رہا تھا۔ وہ اپنی عقل کے گھوڑے برابر دوڑا رہے تھے اور کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش میں مصروف تھے، لیکن گھر پہنچنے تک بھی انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جوں ہی وہ گھر میں داخل ہوئے۔ بیگم جمشید نے انہیں بتایا۔

"اکرام کا دو مرتبہ فون آ چکا ہے۔" ابھی انہوں نے یہ الفاظ ادا کیے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"لیجیے، شاید تیسری مرتبہ فون آ گیا۔"

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا اور کان سے لگاتے ہوئے بولے:

"ہیلو جمشید بول رہا ہوں۔"

"رپورٹ پیش خدمت ہے سر، آپ کا خیال بالکل درست تھا، بے شمار آدمی ہوٹل البان پہنچ چکے ہیں۔"

"اوہ، بہت خوب، پھر تو ہم بھی آ رہے ہیں۔" انہوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"بہتر، میں دروازے سے کچھ فاصلے پر ملوں گا۔" اکرام کی آواز آئی اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"چلو بھئی، کام شروع ہو چکا ہے۔"

"کام شروع ہو چکا ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، بلکہ میرا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا۔ اس دوران کیوں نہ میں ایک دوسرا کام کرلوں۔ ہاں یہ ٹھیک رہے گا، تم تینوں یوں کرو کہ موٹر سائیکلوں پر ہوٹل البان پہنچ جاؤ اور اکرام کا ساتھ دو۔"

"انکل اکرام کا ساتھ دیں۔ لیکن کس سلسلے میں؟"

"اکرام خود تمہیں لے جائے گا۔ جلدی کرو۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے الجھے ہوئے انداز میں ایک ساتھ کہا۔

انسپکٹر جمشید اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد وہ بھی رخصت ہوئے۔ بیگم جمشید دروازہ بند کرتے ہوئے بُرے بُرے منہ بنا رہی تھیں۔

"آخر یہ ہو کیا رہا ہے؟" محمود بڑبڑایا۔

"ہیروں کا چکر چل رہا ہے ہمارے خلاف اور کیا ہوتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جونگی اور وہ آدمی بھی اس طرح غائب ہو گئے، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"میرا خیال ہے اگر وہ آدمی جونگی سے ملنے نہ آیا تو جونگی ہرگز غائب نہ ہوتا۔

کچھ ابا جان کی دھمکیوں نے اسے ڈرا دیا تھا۔"

اکرام انہیں دیکھ کر آگے بڑھا اور حیرت زدہ انداز میں بولا:

"انسپکٹر صاحب کہاں رہ گئے؟"

"وہ کسی اور سمت میں نکل گئے ہیں۔ پہنچ جائیں گے یہاں بھی۔ ہم تینوں آپ کا ساتھ دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"میرا ساتھ دیں گے، کیا مطلب؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"ساتھ دینے کا مطلب تو انکل ساتھ دینا ہی ہوتا ہے۔" فاروق نے مسکی صورت بنائی۔

"اوہ، میں سمجھ گیا۔ آئیے میرے ساتھ۔" اس نے چونک کر کہا۔

"تب تو ابا جان نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" فاروق مسکرایا۔

چاروں ہوٹل کی طرف بڑھے۔ ہوٹل کی رونق عروج پر تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ہال میں موجود لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر لفٹ کی طرف بڑھے۔ جلد ہی وہ شہزادہ علی باقر کے کمروں کے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔ ایک دروازے سے کان لگانے پر اندر سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسا شور سنائی دیا۔ دوسرے کمرے سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی؛ چنانچہ محمود نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر اس کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ یہ کمرہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ انہوں نے دروازہ بند کرلیا اور غسل خانے کی طرف بڑھے۔ دونوں کمروں کا غسل خانہ مشترکہ تھا۔ دروازہ کھول کر وہ دوسرے دروازے تک آئے یہ دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا۔ جھری میں سے انہوں نے دیکھا، اندر بہت سے آدمی جمع تھے اور شہزادہ علی باقر ان کے درمیان بیٹھا تھا۔ سب کے چہروں پر غصے کے آثار تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے چلا کر کہا:

"ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔" ساتھ ہی اس نے میز پر مکا مارا اور میز کے بیچوں بیچ رکھا ہیروں کا ننھا سا ڈھیر بکھر کر رہ گیا۔ کئی ہیرے نیچے بھی گرے، لیکن ان میں کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

"آج تک ایسا نہیں ہوا۔" دوسرا چلایا۔

"آپ کو حساب دینا پڑے گا۔" تیسرا گرج کر بولا۔

"خاموش، پہلے میری پوری بات سن لو۔ اس کے بعد تم اپنے مطالبات بتانا۔ جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے۔ میرا ملازم آصف سالار کمرے سے ہیرے نکالنے کے لیے اوپر آیا تھا۔ لیکن اسے قتل کر دیا گیا۔ ہیرے اُڑا دیے گئے، لیکن ہیروں کا بکس انسپکٹر جمشید کو سڑک کے کنارے ملا اور اس طرح یہ پھر مجھ تک پہنچا اور میں نے ہیرے تقسیم کر دیے۔ ان حالات میں میرا کیا قصور۔ ہو سکتا ہے، ہیرے انسپکٹر جمشید نے بدل دیے ہوں۔"

"یہ بالکل بکواس ہے۔" فاروق غسلخانے میں چلا اٹھا۔

وہ سب بوکھلا کر غسلخانے کی طرف مڑے اور دھک سے رہ گئے۔ محمود فاروق، فرزانہ اور اکرام کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ سب کی نظریں ان پر جم کر رہ گئیں۔

"ہاں، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، ہمارے ابا جان نے ہیرے نہیں بدلے۔ بلکہ انہوں نے تو ہیرے انصار خان سے چیک کرائے تھے اور انصار خان نے ہیروں کو بالکل اصلی بتایا تھا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، یہ بات بالکل ٹھیک ہے، بلکہ جو ہیرا مجھے کمرۂ واردات سے ملا تھا، اسے بھی انصار خان نے اصلی ہی بتایا تھا اور ہم نے وہ سب ہیرے جوں کے توں آپ کے حوالے کر دیے تھے۔"

"تب پھر ہیرے نقلی کس طرح ہو گئے۔ آخر انہیں کس نے اور کب بدل دیا۔"

شہزادہ علی باقر کے دوستوں میں سے ایک نے چلا کر کہا۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا غصے کے آثار تھے۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی......" فرزانہ نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ شہزادہ ہاتھ اٹھا کر بولا:

"ٹھہرو، پہلے تو آپ لوگ یہ بتائیں کہ آپ یہاں تک کس طرح پہنچ گئے اور وہ بھی غسل خانے کے راستے۔"

"جب کمروں کے دروازے بند ہوں اور ہمیں اندر داخل ہونا ہو تو ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا کرتے ہیں۔ یہ ہماری پرانی عادت ہے۔" فاروق نے چہکتی آواز میں کہا۔

"اگر اس وقت غسل خانے کا دروازہ بھی کمرے کی طرف سے بند ہوتا تو پھر تم کیا کرتے۔" شہزادہ علی باقر نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں ہم دوسرے کمرے کا روشن دان آزماتے۔ آپ درمیانی دیوار کے روشن دان کو تو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"میری بات درمیان میں ہی رہ گئی۔" فرزانہ نے بے تابانہ لہجے میں کہا اور مزید کچھ کہنے کے لیے تیار ہوئی ہی تھی کہ فاروق بول پڑا:

"تمہاری بات کا کیا ہے۔ وہ تو ہمیشہ ہی درمیان میں رہ جاتی ہے۔" فاروق بولا۔

"دھت تیرے کی۔ کبھی تو کسی کو بات مکمل کرنے دیا کرو۔" محمود تلملا اٹھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ شہزادہ صاحب نے ہیرے اپنے دوستوں کو تحفہ دیے تھے۔ یہ ہر سال انہیں تحفے میں ہیرے دیتے ہیں، ہر سال ہیرے اصلی ثابت ہوتے رہے ہیں، پھر اگر اس مرتبہ کسی سازش کے تحت ہیرے بدل گئے تو اس میں شہزادہ علی

باقر کا کیا قصور، ہیرے انہوں نے تو بدلے نہیں اور نہ یہ نقلی ہیرے اپنی ریاست سے
لائے، پھر آخر سب دوستوں کو شہزادہ صاحب پر لال پیلے ہونے کی کیا ضرورت
ہے۔'' فرزانہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''اور کیا، نیلے کالے ہوتے تو ایک بات بھی تھی۔'' فاروق بولا۔ لیکن کسی نے
بھی اس کی طرف توجہ نہ دی۔ فرزانہ نے ایک ایسا نکتہ اٹھایا تھا کہ ان سب کو سانپ
سونگھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ سب کے سب فرزانہ کی بات کا جواب سوچ
رہے ہوں۔ آخر شہزادہ باقر نے ہی منہ کھولا۔

''آپ لوگوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہمارا معاملہ ہے، ہم خود ہی
طے کر لیں گے۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ نقلی ہیروں کی وجہ سے میرے دوستوں کی
بے عزتی ہوئی ہے۔ یہ لوگ ہیرے بیچنے کے لیے بازار میں گئے اور جب جوہریوں
نے انکے ہیرے نقلی بتائے تو انہوں نے اپنی بے عزتی محسوس کی: چنانچہ یہ اپنا غصہ
اتارنے یہاں چلے آئے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ دوست، دوست پر غصہ اتارا ہی
کرتے ہیں۔''

''اگر آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔'' فرزانہ نے مایوسانہ انداز
میں کہا، پھر اکرام کی طرف مڑی۔

''تو پھر کیا خیال ہے، واپس چلیں انکل؟''

''ایک منٹ۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سب کے سب دوستوں کو اپنے
ہیرے فروخت کرنے کی ایسی کیا جلدی تھی۔ تحفے اس لیے تو نہیں دیے جاتے کہ
انہیں بیچ دیا جائے۔'' اکرام نے بھی زوردار بات کہی۔

''ہیروں سے تو فائدہ انہیں بیچ کر ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔'' ایک دوست بولا۔

''لیکن اس قدر جلدی بھی کیا تھی کہ ہیرے ملتے ہی فروخت کرنے نکل کھڑے

ہوگئے۔''

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چاروں چونک اٹھے۔ دستک
دینے کا انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔

☆☆☆

جوتے مل گئے

شہزادہ علی باقر اور دوسروں نے بھی چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، پھر محمود نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ شہزادہ اور اس کے دوست کچھ بھی نہ کہہ سکے۔

"السلام علیکم دوستو۔" انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھتے ہوئے کہا:

"تو آپ سب یہاں جمع ہیں۔ چلیے یہ اچھا ہوا۔"

انہوں نے دیکھا، انکے پیچھے کچھ اور آفیسر بھی تھے اور پولیس کی وردی میں تھے۔ ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

"پولیس آفیسرز کو دیکھ کر آپ لوگ حیران تو ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ پولیس کی یہاں کی ضرورت، تو بات دراصل یہ ہے کہ اس ضرورت کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ شہزادہ علی باقر کی بدقسمتی تھی کہ اس نے ایک ایسے آدمی کو اپنے ملازمین میں شامل کیا جو اپنا نام بدلنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسے اپنی ماں کا رکھا ہوا نام بہت پسند تھا۔ اسے اپنی مرحومہ ماں سے بھی بہت محبت تھی، لہذا وہ اپنا نام بدلنا قطعاً گوارا نہیں کرتا تھا؛ چنانچہ جب میرے سامنے آصف سالار کا نام آیا تو مجھے فوراً یاد آ گیا کہ اس نام کا تو ایک شخص کافی عرصے سے مفرور ہے۔ اخبارات میں کسی زمانے میں اس کے بارے میں کئی بار اشتہار بھی دیا گیا تھا، لیکن اس کا کچھ پتا نہ چلا، لیکن اب پتا چل گیا ہے۔ اس شخص نے شہزادہ علی باقر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ جلسے میں اس دوران

بہت کچھ تبدیلی خود بخود آ گئی تھی، کچھ شہزادے کی پناہ حاصل ہو گئی، لیکن پھر ہوا یہ کہ ہیروں کے چور نے اسے ہلاک کر دیا۔ ہم نے اس کی نعش کی تصاویر ہر پہلو اور ہر زاویے سے لیں اور جب مفرور آصف سالار کی تصاویر سے ملا کر دیکھا گیا تو ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔"

"اوہو، تو آصف سالار ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔" شہزادہ علی باقر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا: "اس بات کا مجھے آج ہی پتا چلا۔"

"میں تو آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آصف سالار ملک سے بھاگ کر آپ کی ریاست میں چلا گیا تھا اور وہیں آپ نے اسے ملازم رکھا تھا، کیونکہ آپ کو ایسے ہی جرائم پیشہ آدمیوں کی ضرورت تھی۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چاروں ایک ساتھ چلا اٹھے۔ پولیس آفیسرز بھی حیران رہ گئے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ ہوش میں تو ہیں۔ جانتے ہیں، کس سے بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں، جانتا ہوں۔ ہیروں کے سب سے بڑے سمگلر سے۔ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اسمگلر ہمارے سامنے کھڑا ہے۔"

"نہیں۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، یہ سو فی صد درست ہے۔ شہزادہ علی باقر، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شہزادہ ہی ہے۔ یہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک ترقی یافتہ ملک میں چلے گئے تھے۔ وہاں ان لوگوں کا واسطہ سمگلر ٹائپ لوگوں سے پڑا۔ انہوں نے ان پر اپنا اثر جمانا شروع کر دیا اور یہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا۔ ان لوگوں کی نظریں ان کی ریاست پر تھیں۔ انہوں نے سوچا یہ تھا کہ ریاست کی آڑ میں ہیروں کی سمگلنگ

نہایت آسانی سے ہو سکے گی۔ ریاست کے والی تحفے دینے کے لیے ہیرے دوسرے ملکوں میں لے جایا کریں گے اور وہاں سے انکے خاص دوست یعنی ہیرے آگے فروخت کرنے والے ان سے ہیرے خرید لیا کریں گے، لیکن نمائش کے طور پر یہ ہیرے بطور تحفہ دیے جایا کریں گے۔ شہزادہ باقر علی پر ان کا اثر اس حد تک چھا گیا کہ وہ ان کے رنگ میں رنگ گیا اور باپ کے مرنے کا انتظار کرنے لگا، کیونکہ باپ کے مرنے کے بعد ہی ریاست کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آسکتی تھی۔ آخر وہ والی بن گیا اور اپنے دوستوں کے اشارے پر اس نے یہ کام شروع کر دیا۔

یہاں آپ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال گونجے گا کہ مجھے ان سب باتوں کا علم کیونکر ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے اس دوران اپنے کچھ ماتحتوں سے خوب کام لیا ہے۔ انہوں نے کئی سال پرانے اخبارات سے لے کر آج تک کے اخبارات جمع کیے۔ غیر ملکی اخبارات بھی حاصل کیے۔ ان میں سے شہزادہ علی باقر کی خبریں کاٹ لی گئیں اور ان کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شہزادہ علی باقر صرف ہمارے ہی ملک میں آکر اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم نہیں کرتے، بلکہ اسی طرح دوسرے بہت سے ملکوں میں جاتے ہیں اور اپنے دوستوں میں ہیرے تقسیم کرتے ہیں۔ اب کون ایسا شخص ہوگا دنیا میں، جو سارا سال لوگوں میں ہیرے ہی تقسیم کرتا رہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ ہیروں کی سمگلنگ کا کیس ہے۔ شہزادہ علی باقر ایک بین الاقوامی مجرم ہیں۔ کروڑ ہا روپے کے ہیرے سمگل کرتے ہیں اور سمگلنگ کا طریقہ ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ کسی کو شک نہیں ہوتا۔ یہاں کی ہی مثال لے لیجیے، یہ ہر سال یہاں آتے ہیں۔ ان کے دوست پہلے تو ان کے کمرے میں ملاقات کرتے ہیں۔ ہیروں کا سودا کیا جاتا ہے۔ رقم ادا کی جاتی ہے، اور پھر ہیرے دوستوں میں ایک تقریب کے دوران تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ دراصل یہ تمام دوست بھی ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس

بار بھی اگر ہیرے اصلی ہوتے، تو یہ فروخت کر کے شاندار منافع کما چکے ہوتے، لیکن بُرا ہو اس چور کا، جس نے ان کے ملازم کو ہلاک کر کے ہیروں کا بکس اڑا لیا، لہٰذا اب ہم بین الاقوامی بلیک میلر شہزادے کو گرفتار کرتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر ہم یہاں سے بہت بڑی رقم بھی برآمد کریں گے۔ جو سوٹ کیس میں کسی جگہ چھپائی ہوئی ہوگی۔"

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ ان کے اشارے پر اکرام اور پولیس کے دوسرے افراد نے کمرے کی تلاشی شروع کر دی۔ شہزادہ علی باقر اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش تک نہیں کی۔ بت بنے کھڑے رہے۔ کمرے میں تین بڑے بڑے سوٹ کیس موجود تھے۔ انہیں کھولا گیا۔ ان کا سامان الٹا گیا۔ سوٹ کیس دوہری دیواروں والے ثابت ہوئے۔ درمیانی دیواروں میں نوٹوں کی گڈیاں ہی گڈیاں ٹھنسی ہوئی تھیں اور یہ سب کے سب نوٹ غیر ملکی تھے۔ یعنی ڈالروں کی صورت میں۔ سوٹ کیسوں کی درمیانی دیواروں کو ایسی زپوں کے ذریعے بند کیا گیا تھا جو بالکل سوٹ کیس کے رنگ کی تھیں اور بغور دیکھنے پر بھی نظر نہیں آتی تھیں۔

فوراً ہی شہزادہ علی باقر اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ اسی وقت فرزانہ بول اٹھی:

"لیکن ابا جان، آصف سالار کے قتل کا معاملہ تو رہ ہی گیا۔"

"ہاں، اگر وہ قتل نہ ہوتا تو یہ شہزادہ صاحب ابھی نہ جانے کتنا عرصہ اور ہیرے سمگل کرتے رہتے۔ ہیروں کے چور کو ابھی گرفتار کرنا ہے۔ آصف سالار کا قاتل بھی وہی ہوگا اور اصلی ہیرے بھی اس کے پاس ہوں گے۔ آؤ ہم دیکھتے ہیں، قاتل کون ہے؟"

"تو ابھی آپ صرف دیکھیں گے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''موقع مل گیا تو گرفتار بھی کر لیں گے۔ پہلے میں ایک تجربہ کروں گا۔''

وہ ہوٹل سے باہر آئے اور کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ جلد ہی کار ایک جوہری کی دکان کے سامنے رکی۔

''پھر جوہری، اب کیا رہ گیا ہے ابا جان؟'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''ایک ہیرا چیک کرانا ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''پھر ہیرا چیک کرانا ہے؟'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''اب ہیرا کہاں سے نکل آیا؟''

''میں نے ایک بات کا شروع سے خیال رکھا تھا۔ اب اس کی تصدیق کروں گا۔''

وہ ان کے ساتھ دکان میں داخل ہوئے۔ اندر ایک بوڑھا سا جوہری بیٹھا تھا۔ انہوں نے جیب سے ایک ہیرا نکالا۔ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولے:

''ذرا اس ہیرے کو دیکھیے گا، یہ اصلی ہے یا نقلی؟''

اس نے ہیرا ہاتھ میں اٹھایا اور پھر فوراً ہی کہا:

''بالکل نقلی ہے جناب، سو فی صد نقلی۔''

''شکریہ جناب۔''

دکان سے باہر نکل کر وہ ایک اور جوہری کی دکان میں داخل ہوئے۔ اس نے بھی ہیرے کو نقلی بتایا اور اسی طرح انہوں نے تیسرے جوہری سے بھی تصدیق کی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی حیرت ہر لمحے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر محمود سے رہا نہ گیا۔

''ابا جان، آخر آپ یہ ہیرا کتنے آدمیوں کو دکھائیں گے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟''

''بھئی، اب آخری جوہری کو دکھانا ہے۔'' انہوں نے کہا اور کار میں بیٹھ گئے۔ تینوں نے ان کا ساتھ دیا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک بہت بڑی دکان کے

سامنے رکے۔ انہوں نے دیکھا، وہ انصار خان کی دکان تھی۔

''ارے، یہ تو انصار خان کی دکان ہے۔'' فرزانہ چونکی۔

''ہاں، انصار خان آخر شہر کے سب سے بڑے جوہری ہیں۔ ان کی رائے کو ہی میں بالکل درست رائے سمجھ سکتا ہوں۔''

''تو کیا آپ کا خیال ہے، یہ ہیرا اصلی ہے۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ بولے۔

''اچھا تو جب آپ کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہوں، بتا دیجئے گا۔ ہم پوچھنا شروع کر دیں گے۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور دکان کے اندر داخل ہو گئے۔ کاؤنٹر پر رکے بغیر وہ آگے بڑھ گئے۔ انصار خان اپنے کمرے میں موجود تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا؛ البتہ اس وقت وہ موٹا اور کالا آدمی نہیں تھا، جسے انصار خان نے فارابی کہہ کر پکارا تھا۔

''اوہو، جناب، آپ نے پھر کیسے تکلیف کی؟'' انصار خان چونک کر بولا۔

''اس ہیرے کو دیکھیے، یہ اصلی ہے یا نقلی؟'' انہوں نے ہیرا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

انصار خان نے حیرت زدہ انداز میں ہیرا اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر بولا:

''یہ ہیرا تو جناب بالکل نقلی ہے۔''

''شکریہ، مجھے دوسرے جوہریوں نے بھی یہی بتایا ہے۔ آپ کی فیس۔''

''ایک سو روپے۔'' اس نے کہا۔

''یہ لیجیے۔'' انسپکٹر جمشید نے جیب سے بٹوا نکالا اور اس میں سے سو روپے کا

نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پھر بولے:

''لیکن مجھے حیرت ہے۔ کل آپ نے اس ہیرے کو بالکل اصلی بتایا تھا۔''

''جی کیا مطلب؟'' انصار خان بُری طرح چونکا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

''ہاں، آپ کو یاد ہوگا۔ کل میں ہیروں کا ایک بکس لے کر آپ کے پاس آیا تھا۔ میں نے اس بکس کے تمام ہیرے چیک کرائے تھے۔ اور ان سب کو چیک کرانے کا معاوضہ آپ کو ادا کیا تھا۔ آپ نے اس بکس کے تمام ہیرے بالکل اصلی بتائے تھے۔''

''اس بکس کے تمام ہیرے بالکل اصلی تھے۔'' انصار خان نے فوراً کہا۔

''تب پھر یہ ہیرا اس بکس کے ہیروں میں سے ایک ہے۔ اب آپ اسے نقلی کیوں بتا رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے تیز آواز میں کہا۔

''یہ ہیرا اسی بکس کا ہے؟'' انصار خان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں بالکل۔''

''تب پھر ہو سکتا ہے، اس بکس میں ایک دو ہیرے نقلی بھی شامل ہوں اور وہ میری نظر میں آنے سے رہ گئے ہوں۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی تھرتھراہٹ دوڑ گئی۔

''یہ غلط ہے، میں آپ کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ آپ نے بکس کے ایک ایک ہیرے کو بغور دیکھا تھا اور ہر ایک پر یکساں وقت صرف کیا تھا۔'' انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔ انصار خان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

''اب بتایئے، آپ نے بکس کے نقلی ہیروں کو اصلی کیوں بتایا تھا؟''

''نہیں، یہ غلط ہے۔ بکس کے تمام ہیرے نقلی نہیں تھے۔'' انصار خان کے منہ سے نکلا۔

''کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟'' انہوں نے منہ بنایا۔

''نن نہیں۔'' وہ ہکلایا۔

''میرا خیال ہے، آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں، میں کون ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب کل میں بکس لایا تھا تو آپ مجھے نہیں جانتے تھے، لیکن میرے جانے کے بعد اس کالے اور موٹے آدمی نے آپ کو میرے بارے میں ضرور بتایا ہوگا، کیونکہ جب میں اندر داخل ہوا تھا تو وہ آپ کی کرسی پر بیٹھا تھا اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت کی جھلک نظر آئی تھی۔ جس سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ خیر، اگر آپ مجھے نہیں جانتے اور اس موٹے اور کالے آدمی نے بھی آپ کو نہیں بتایا تو میں بتائے دیتا ہوں۔ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔ اب بتایئے۔ آپ نے نقلی ہیروں کو اصلی کیوں بتایا تھا۔ میرے بعد یہ لوگ بھی ایک ہیرا پرکھوانے کے لیے یہاں آئے تھے۔ آپ نے اس ہیرے کو بھی اصلی بتایا تھا۔ وہ ہیرا تو شاید تھا بھی اصلی۔ لیکن بکس کے تمام ہیرے بالکل نقلی تھے۔''

''آپ، آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔ آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں۔ جناب تشریف رکھیے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں۔ میں ابھی آپ کی باتوں کا جواب دیے دیتا ہوں۔''

''نہیں، پہلے ہم آپ کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

''تلاشی لیں گے، لیکن کیوں۔ تلاشی کا بھلا یہاں کیا سوال۔'' اس نے چونک کر کہا۔

''ہمیں تلاشی لینے کے لیے کسی سوال کی تو کیا کسی جواب کی بھی ضرورت نہیں

ہوتی۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن شاید آپ اس طرح تلاشی نہیں لے سکتے۔ یہ ایک جوہری کی دکان ہے۔ یہاں ہیرے جواہرات کا کاروبار ہوتا ہے۔ آپ کو پہلے تلاشی کے وارنٹ لانا ہوں گے۔"

"وارنٹ میرے پاس ہے۔" وہ بولے۔

"اوہ، تب تو آپ ضرور تلاشی لیں۔" اس کے منہ سے نکلا:

"لیکن پہلے وارنٹ مجھے دکھادیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اسے اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھایا تو وہ دھک سے رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔

"چلو بھئی، محمود، فاروق اور فرزانہ، اس کمرے کی تلاشی لو۔"

"جی بہتر۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور کمرے کی الماریوں کی طرف قدم اٹھانے لگے۔

"تمہیں جوتوں کا ایک جوڑا برآمد کرنا ہے۔" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب؟ جوتوں کا جوڑا۔ لیکن ابا جان، بھلا ہم جوتوں کا جوڑا کیا کریں گے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تمہارے سر پر ماریں گے اور کیا کرتے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"لیکن میرے سر پر تمہارے سر جتنے بال کب ہیں؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی وقت ضائع نہ کرو۔"

"بہت بہتر۔"

اور وہ تلاشی پر جت گئے۔ انسپکٹر جمشید کھڑے رہے۔ ان کی نظریں بدستور انصار خان پر جمی تھیں۔

"آپ بیٹھ کیوں نہیں جاتے۔" آخر اس نے کہا۔

"میں کھڑا رہ کر تھک نہیں جاؤں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن یہ تلاشی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بات تو ہیروں کی تھی اور تلاش کر رہے ہیں جوتوں کا ایک جوڑا۔"

"ہمارے ابا جان ایسے کاموں کے ماہر ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"فاروق، اگر تم اسی طرح بولتے رہے تو محمود اور فرزانہ تلاش میں تم سے آگے بڑھ جائیں گے۔"

"آپ تلاشی میں کہہ رہے ہیں، یہ تو مجھ سے ہر چیز میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

کمرے کی تین الماریوں کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد آخر وہ قالین کی طرف متوجہ ہوئے۔ قالین الٹا گیا، لیکن فرش میں بھی کوئی تہہ خانہ نہیں تھا۔

"الماریوں میں کچھ نہیں ابا جان اور نہ قالین کے نیچے کوئی خفیہ خانہ۔ اب ہم کس چیز کی تلاشی لیں؟"

غسل خانے کی۔" وہ بولے۔

"اوہ ہاں، غسل خانے کو تو ہم بھول ہی گئے۔"

تینوں غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ نہانے کے ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس پانی میں صابن بھی ملا ہوا تھا۔ لہٰذا تہہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

"فاروق ذرا اس ٹب کے نچلے حصے کی خبر تو لے آؤ۔" فرزانہ بولی۔

"مم، میں۔ یعنی کہ میں۔"

"ہاں بھئی تم، اور کون۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لیکن تم کیوں یہ کام نہیں کرتیں۔"

"مجھے صابن ملے پانی سے خوف آتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور مجھے گھن آتی ہے۔"

"تم دونوں تو بس گھر میں بیٹھا کرو۔" محمود نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے ٹب کا جائزہ لینے لگا۔

"ارے باپ رے۔" اچانک اس کے منہ سے نکلا۔

اور پھر اس کے دونوں ہاتھ باہر نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا، اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک جوتا تھا۔

"یار کمال ہے، ابا جان کے اندازے بھی حیرت انگیز حد تک درست ثابت ہوتے ہیں۔ اب دیکھ لو، انہوں نے پہلے ہی ہم سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں یہاں سے جوتوں کا ایک جوڑا برآمد کرنا ہے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لیکن۔ یہ جوتے یہاں کیا کر رہے ہیں؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"لو، اسے اتنا بھی نہیں معلوم۔ بھئی نہا رہے تھے، غسل کر رہے تھے۔ دیکھ نہیں رہے، صابن بھی ملا ہوا ہے پانی میں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"اوہ، میں سمجھ گئی۔" اچانک فرزانہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھر وہ تیزی سے مڑی اور غسل خانے کا دروازہ کھولتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔ دونوں بھی اس کے پیچھے کمرے میں آگئے۔

"ابا جان، جوتے مل گئے۔"

"ویری گڈ، تو میرا خیال ٹھیک ہی تھا۔" وہ خوش ہو کر بولے۔ انصار خان کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ بدن میں تھرتھراہٹ سی تھی۔

"فرزانہ تم نے بتایا نہیں، تم کیا سمجھ گئی ہو۔" محمود نے اُسے گھورا۔

"گویا تم دونوں کچھ نہیں سمجھے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اب ہم اتنے بھی عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ ہوٹل البان میں شہزادے کے کمرے کے دروازے پر اور برآمدے میں خون آلود جوتوں کے نشانات تھے۔ صاف ظاہر ہے، یہ وہی جوتے ہیں۔" محمود بولا۔

"لیکن سوال تو یہ ہے، ابا جان نے یہ کس طرح اندازہ لگا لیا کہ جوتے یہاں ملیں گے؟" فاروق بولا۔

"ہاں واقعی، یہ بہت ضروری سوال ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو ہم پہلے اسے حل کر لیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انصار خان نے نقلی ہیروں کو اصلی کیوں بتایا۔ آخر اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک بات یہ کہ موٹے اور کالے آدمی کے چہرے پر ابا جان کو دیکھ کر حیرت کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کے جانے کے بعد موٹے اور کالے یعنی فارابی نے مسٹر انصار خان کو یہ ضرور بتایا ہوگا کہ ابھی ابھی اس نے کن ذات شریف کے ہیرے دیکھے ہیں، لیکن اس کے باوجود انصار خان اس وقت بھی انجان بنے ہوئے تھے اور ابا جان کو پہچان ہی نہیں رہے تھے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ انصار خان ضرور کچھ چھپا رہے ہیں۔ چنانچہ ابا جان کا ان پر شک ہو گیا۔ کیوں ابا جان میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔" محمود یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"نہیں، تمہارے اندازے بڑی حد تک درست ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انصار خان بکس کے ہیروں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اس وقت میں ان کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اگرچہ ایک ایک ہیرے کو اچھی طرح دیکھا تھا، لیکن ان کے انداز سے میں نے یہ نتیجہ نکالا تھا، جیسے وہ ہیروں کا فرضی معائنہ کر رہے ہیں۔ ورنہ انہیں ہیروں کے بارے میں اچھی طرح اندازہ ہے۔ دوسرے یہ کہ فارابی کا رویہ میرے لیے عجیب تھا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تھا تو وہ انصار خان کی کرسی پر

بیٹھا ہوا تھا اور انصار خان غسل خانے میں تھے، جب یہ غسل خانے سے نکلے تو میں نے صاف محسوس کیا، یہ فارابی سے کچھ خوف زدہ سے ہیں، جب کہ فارابی ان کا ملازم نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے نقلی ہیروں کو اصلی بتایا۔ اس وقت تو خیر مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی، لیکن بعد میں جب شہزادے سے ہمیں ایک ہیرا ملا اور میں نے اسے چیک کرایا تو وہ نقلی ثابت ہوئے۔ یہیں سے میں نے اسے ہیرے کو چیک کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بکس شہزادے کو واپس کرنے سے پہلے میں نے اس میں سے یہ ہیرا نکال لیا تھا۔ اگر میں یہ ہیرا نہ نکالتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ بعد میں بکس کے ہیرے تبدیل کر دیے ہوں گے، لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہیرے بعد میں نہیں، پہلے ہی تبدیل کر دیے گئے تھے۔'' وہ کہتے چلے گئے۔

''جی کیا مطلب؟'' تینوں چونکے۔

''ہاں، ہیرے تو دراصل قاتل نے تبدیل کیے تھے۔ سنو میں تفصیل سے بتاتا ہوں۔ ہیروں کا چور پہلے ہی تاک میں تھا۔ جوں ہی آصف سالار نے الماری کھول کر بکس اس میں سے نکالا، وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے خنجر آصف سالار کی طرف تان دیا اور اس سے کہا کہ بکس اس کے حوالے کر دے۔ اب چور کو کیا معلوم تھا کہ آصف سالار عام آدمی نہیں، بلکہ ایک جرائم پیشہ ہے۔ اس نے آن کی آن میں پستول نکال لیا اور فائر کرنا چاہا، لیکن اتنی دیر میں چور نے خنجر پھینک مارا اور وہ اس کے لگ گیا۔ کمرے سے ہمیں کوئی گولی نہیں ملی۔ نہ کسی جگہ دیوار سے پلستر اکھڑا ملا۔ اس کا مطلب بھی ہے کہ یا تو آصف سالار کو گولی چلانے کا موقع نہیں ملا، یا اس نے گولی چلائی تو وہ قاتل کے لگ گئی ہو گی۔ اس صورت میں ہمیں ایک عدد فرضی قاتل کو گرفتار کرنا ہو گا۔ خنجر کھا کر آصف سالار گر گیا۔ قاتل نے ہیروں کے بکس میں سے تمام

ہیرے نکالے۔ اس میں نقلی ہیرے بھرے۔ واضح رہے کہ وہ پہلے ہی نقلی ہیرے لے کر اس مہم پر نکلا تھا۔ بکس میں سے ہیرے نکالتے وقت اس میں سے ایک ہیرا گر پڑا اور صوفے کے پائے کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے ہیرے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، لیکن اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا؛ چنانچہ وہ بھاگ نکلا۔ ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر نکلنے کے بعد اس نے کچھ فاصلے پر ہیروں کا بکس سڑک کے کنارے رکھ دیا۔ اب اس میں تمام کے تمام نقلی ہیرے تھے اور اصلی ہیرے اس کے پاس تھے۔ ہیروں کو بدلنے کے چکر میں اس کے جوتے خون آلود ہو گئے تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان جوتوں سے چھٹکارا پانا تھا اور ہیرے کسی محفوظ جگہ پہنچانے تھے۔ اس محفوظ جگہ پر شک مجھے پہلی مرتبہ یہاں آنے کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس وقت انصار خان نے ہیرے کو نقلی بتایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس گڑبڑ کا سرا یہیں کہیں ملے گا؛ چنانچہ میں نے تمہیں خون آلود جوتوں کی تلاش پر لگا دیا۔ پانی کے ٹب میں ملنے کا مطلب بھی ہے کہ خون ان جوتوں سے صاف ہو جائے۔ اب میں یہ بھی بتا دوں کہ انصار خان نے بکس کے ہیروں کو اصلی کیوں بتایا تھا۔ اس لیے کہ ہیروں کا معاملہ راز ہی رہے اور یہ خاموشی سے سارے اصلی ہیرے ہڑپ کر جائیں۔''

''جی، کیا مطلب؟'' تینوں چونکے۔

اس کے ساتھ ہی فاروق نے اپنے والد کو پوری قوت سے دھکا دیا، وہ دھڑام سے گرے اور ایک خنجر سنسناتا ہوا ان کے اوپر سے گزر گیا۔ وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا اور فرش پر گر گیا۔ وہ تیزی سے مڑے، لیکن فوراً ہی گویا انہیں طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ دو آدمی ان پر بھی ایسی ہی تیزی سے حملہ آور ہوئے تھے۔

☆☆☆

افسوس ہے

یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا۔ انہیں سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ سب سے پہلا مکا محمود کو وصول کرنا پڑا۔ فرزانہ کی کمر پر لگنے والی لات اتنی زوردار تھی کہ وہ انسپکٹر جمشید پر گری۔ فاروق اتفاق سے بچ گیا۔ دوسرا آدمی اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا گھونسا اس کی پیشانی کی طرف آیا اور وہ سوچے سمجھے بغیر ایڑی پر گھوم گیا۔ بس اسی حرکت نے اسے بچالیا۔ ساتھ ہی اس نے چھلانگ لگائی اور کمرے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ حملہ آور پھر اس کی طرف لپکا۔ اتنے میں فرزانہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید بھی سیدھے ہو گئے۔ محمود ابھی تک جبڑا پکڑے بیٹھا تھا؛ تاہم وہ بھی اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ فاروق اگر انسپکٹر جمشید کو دھکا نہ دیتا تو خنجر ان کی کمر میں پیوست ہو چکا تھا۔ اب انسپکٹر جمشید پر گویا خون سوار ہو گیا تھا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فرزانہ کی طرف بڑھنے والے حملہ آور کی ٹانگوں میں اچانک ٹانگ اڑادی۔ وہ دھڑام سے گرا بس پھر کیا تھا، ان کی ایک زوردار ٹھوکر اس کے لگی اور وہ ساکت ہو گیا۔ اب وہ دوسرے حملہ آور کی طرف بڑھے۔ وہ فاروق کو دبوچ لینے کی فکر میں تھا۔ انہوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا اور ٹھوڑی پر ایک مکا رسید کر دیا۔ یہ مکا ایسا ہی تھا کہ وہ نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اب انہوں نے دیکھا، دونوں حملہ آور فارابی اور جوگی تھے۔ اب وہ انصار خان کی طرف مڑے اور چونک اٹھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا اور اس کا رخ ان کی طرف تھا، وہ اپنی کرسی پر نہایت اطمینان سے بیٹھا تھا۔ چہرے پر ایک مسکراہٹ بھی تھی۔

"اب آپ لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیں۔"

"تو میرے بھی اندازے درست تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، شہزادے کے ہیرے چرانے کا منصوبہ میں نے پچھلے سال بنایا تھا۔ اس وقت میں بھی اس کی تقریب میں شریک ہوا تھا اور میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن مجھے چوری چکاری کا کوئی تجربہ نہیں تھا؛ چنانچہ میں نے فارابی سے بات کی۔ یہ میرے پاس بہت عرصے سے ملازم تھا۔ میں نے اسے اپنی حفاظت کے لیے ملازم رکھا تھا اور جانتا تھا کہ یہ مفرور ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ جب میں نے اپنے منصوبے کا اس سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ اس کام کے لیے جوگی سے مدد لینا ہو گی۔ ایسے کاموں کا وہ ماہر ہے؛ چنانچہ جوگی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ہم نے ہیرے برابر تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ منصوبے کے مطابق فارابی ہوٹل کے برآمدے میں پہنچ گیا۔ تراب خان کار لیے نیچے موجود رہا۔ آخر فارابی ہیروں کا بکس لے کر نیچے پہنچ گیا۔ اب اس میں نقلی ہیرے تھے؛ چنانچہ اسے سڑک کے کنارے رکھ کر یہ دونوں بھاگ نکلے۔ جوگی نے کار اور فارابی کو ہوٹل کے پاس چھوڑا اور خود اپنے گھر چلا گیا۔ اس نے مجھے پہلے ہی یہ ہدایت کر دی تھی کہ بکس کے ہیروں کی جانچ پڑتال اگر کوئی کرائے تو میں انہیں اصلی بتاؤں، اس کے علاوہ بھی کوئی ہیرا لا کر دکھایا جائے تو اسے بھی اصلی بتاؤں، تاکہ ہیروں کے نقلی ہونے کا کسی کو پتا نہ چلے اور وہ سب کے سب شہزادے کے ہاتھوں تقسیم ہو جائیں گے۔" یہاں تک کہہ کر انصار خان خاموش ہو گیا۔

"ہاں، اب یہ تمہیں بھی پتا نہیں تھا کہ شہزادہ تو خود ہیروں کا سمگلر ہے اور اس کے دوست بھی دراصل اس سے ہیرے خریدتے ہیں اور پھر بازار میں فروخت کرتے

ہیں۔اس طرح جلد یہ پتا چل جائے گا کہ ہیرے نقلی ہیں۔دراصل چور کی ڈاڑھی میں تنکا ہوتا ہے، اگر تم بکس کے ہیروں کو نقلی بتاتے تو شاید میں تم پر شک نہ کرتا دوسرے فارابی مجھے یہاں نظر نہ آتا۔اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ اس نے اپنے جوتے بھی یہاں ہی پانی کے ٹب میں ڈال دیے وہ انہیں کسی اور غسل خانے کے ٹب میں بھی ڈال سکتا تھا؛ بہر حال مجرموں سے غلطیاں ہوا ہی کرتی ہیں۔اگر ان سے غلطیاں نہ ہوں تو ہم لوگ تو ناک ٹوئیاں ہی مارتے ہی رہ جائیں۔"

"جی ہاں، اس کام کے لیے ہمارے پاس پہلے ہی فاروق کافی ہے۔" محمود بول پڑا۔

"تم لوگوں نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے۔" انصار خان غرایا۔

"چھوڑو، اب اس کی کیا ضرورت ہے۔پولیس اس وقت دکان کو گھیرے میں لے چکی ہوگی۔اب تم گولی چلا کر چور سے قاتل بننا چاہتے ہو تو چلا دو گولی، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر بولے:

"اکرام کے آنے کا وقت تو ہو چکا ہے۔اکرام کیا تم آ نہیں گئے؟"

یہ الفاظ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھے بغیر کہے تھے۔ان کا منہ تو بدستور انصار خان کی طرف تھا۔

"میں تو دو منٹ پہلے پہنچ چکا ہوں سر۔دروازے کی دیوار کے ساتھ لگا آپ کی باتیں سن رہا تھا۔" دروازے سے اکرام کی آواز سنائی دی۔انصار خان نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اس کا پستول والا ہاتھ نیچے جھکتا چلا گیا۔دروازے میں اکرام کے ساتھ کئی پولیس والے کھڑے تھے۔

"لیکن ابا جان، آخر انصار کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔کیا یہ کوئی غریب آدمی ہیں؟"

"لالچ بعض اوقات عجیب و غریب کام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔انصار خان بنیادی طور پر حد درجے لالچی ہیں۔پچھلے سال کی تقریب میں انہوں نے سوچا تھا کہ شہزادے کو تو یہ ہیرے تقسیم ہی کرنا ہوتے ہیں، کیوں نہ سب کے سب ہیرے وہ حاصل کر لیں۔ایک دو کروڑ کے تو بن ہی جاتے ہوں گے اور پھر ان کا خیال تھا کہ یہ ہیرے اس طرح حاصل ہو جائیں، جیسے ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے۔ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے بعد ایک آدمی بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ان کا تو خیال یہ تھا کہ بیٹھے بٹھائے انہیں ہیرے مل جائیں گے اور ان پر کسی کو شک بھی نہیں ہوگا، لیکن انہوں نے بلکہ فارابی اور جونگی نے یہ نہ سوچا کہ اتنے بہت سارے نقلی ہیرے کسی جوہری پر شک کرنے کی ہی دعوت دے سکتے ہیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا ابا جان کہ یہ کیس بھی خدا کے فضل و کرم سے ختم ہوا اور اب ہم نہایت اطمینان اور سکون سے اپنے گھر جا سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"ہاں بالکل۔"

"اور مجھے افسوس اس بات کا ہے، کہ آصف سالار مفت میں اپنی جان دے گیا۔" فرزانہ بولی۔

"مفت میں تو خیر نہیں۔اسے بھی اس کے جرائم کی سزا ملی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک افسوس مجھے بھی ہے۔" اچانک فاروق بول پڑا۔

"اوہو، تو تم بھی افسوس کرنے کے قابل ہو گئے ہو۔ذرا سنیں تو تمہیں کس بات پر افسوس ہے۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اس بات پر کہ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے ہمیں ہیرے تحفے دیے اور وہ بھی

نقلی نکلے۔" اس نے منہ بنا کر کچھ ایسے انداز میں کہا کہ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔